حیات معصومین(ع) /۲

علی ابن ابیطالب علیہ السلام

حیات معصومین (ع) ۲

امیر المؤمنین

علی بن ابی طالب علیہ السلام

نام کتاب : علی بن ابی طالب علیہ السلام (جزء سوم)

مترجم : سید قمر عباس نقوی

ناشر : سازمان فرہنگ و ارتباطات اسلامی (شعبۂ ترجمہ و اشاعت)

سال طبع : رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ ہجری

ISBN 964-472-095-4

امیر المؤمنین

علی بن ابی طالب علیه السلام

فہرست

عرض ناشر

حضرت رسول اکرمؐ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی پاکیزہ حیات ہر عہد و عصر کے انسانوں کے لئے بہترین سر مشق اور نمونہ حیات ہیں اور یہ وہ حقیقت ہے جسکی حکایت قرآن کریم بھی کرتا ہے "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" (احزاب/۲۱) پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کے علاوہ قرآن حکیم، حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کی طیّب و طاہر حیات کو بھی بنی نوع انسان کے لئے نمونہ عمل قرار دیتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم و الذین معہ"

در حقیقت ایک مکتب فکر اس وقت تک محکم و پائیدار نہیں ہو سکتا اور لوگوں کے دل میں اپنی جگہ نہیں بنا سکتا۔ اگر اس میں کوئی آئیڈیل یا نمونہ عمل نہ ہو۔ اس روشن حقیقت سے نہ صرف دینی مکاتب فکر آگاہ ہیں بلکہ اس کی اہمیت سے بے دین اور الحادی مکاتب فکر بھی نہ صرف آشنا ہیں بلکہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں اور نسلوں و قوموں کو انہی ہتھکنڈوں سے

گمراہ کرتے ہیں اور آج الحادی دنیا اس روش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ثقافتی و تہذیبی شبخون کے ذریعہ قوموں ، تہذیبوں اور جوان نسلوں کو تباہ و برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے ۔

ہم جو کہ مسلمان ہیں اور قرآن کریم کے دستور پر عمل کرتے ہیں اور قرآن ہمیں "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کے ذریعہ انسانیت بلکہ پوری خلقت کے بہترین نمونوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے ۔ اور ان کی زندگیوں کو اپنے لئے نمونہ حیات بنانے کی تاکید کرتا ہے ۔ اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ حضرت آدمؑ سے صبح قیامت تک مردوں کی صنف میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام اور عورتوں کی صنف میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جیسی شخصیتوں کی کوئی مثال نہیں ۔ تو ہمیں چاہیے کہ ان ذوات مقدسہؑ کی زندگیوں سے آگاہی حاصل کریں اور ان کے کردار سے خود کو مزین کریں ۔

زیر نظر کتاب حضرت امام علی علیہ السلام کی حیات طیبہ کے کتابی سلسلے کا تیسرا حصہ ہے ۔ امید ہے کہ اہل ایمان اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی دنیاو آخرت کو روشن و تابناک بنالیں گے ۔

مقدمہ

اہل بیت علیہم السلام کی زندگی پر مشتمل کتابوں کا تیسرا حصہ قارئین کے پیش خدمت ہے ۔ اس جزو میں ہم نے حضرت علیؑ کی شخصیت کے اساسی پہلوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے ۔ اس ذات کے بارے میں گفتگو کرنا چاہا ہے جو رسول خداؐ کے بعد تاریخ کا سب سے عظیم شخص تھا ، جس کا تقوا ، شجاعت ، عدالت ، علم ، حلم ، تواضع ، زہد ، فداکاری اور الٰہی ہدایت پر خاص توجہ اظہر من الشمس ہے ۔

یہ تمام بے نظیر خصوصیات ان کی ذات کو مکتب نبیؐ کا سب سے عظیم سرمایہ بنا کر پیش کرتی ہیں یہ اس عظیم مکتب کے دکھ سکھ کے شریک رہے اس کی راہ میں قربانیاں پیش کیں ، مشقتیں برداشت کیں ، ان سب کی وجہ سے آپؑ کی شخصیت کے علمی و عملی پہلوؤں سے حقیقی اسلام جھلکتا ہے اور اسی لئے آپؑ کی ذات ان تمام لوگوں میں سب سے بہتر ہے جنھوں نے اپنی بول چال ، سوجھ بوجھ اور سلوک میں سیرت نبویؐ کو زندہ رکھا ہے ۔

اسی طرح یہ کتاب حضرت علیؑ کی زندگی کے ان عبادی پہلوؤں کے درخشاں کر صفو

بھی نمایاں کر دے گی جو ایک انسان کی نہایت اہم ضرورت ہے اور جس پر بندۂ مومن کے دوسرے ایمانی حقوق استوار ہیں۔

اسی طرح ہم اس حصہ میں حضرت علیؑ کے مختلف علم و حکمت میں ڈوبے کلام اور ہدایت و ارشاد کی طرف دعوت دینے والی آپؑ کی تقریرات کے کچھ اقتباس بھی پیش کریں گے۔ اسی کے ساتھ امت کی مصلحتوں کی طرف آپ کی توجہ کے متعلق بھی گفتگو کریں گے۔

چونکہ امیر المومنین معرفت خدا کے رہبر اور علمی افکار کے روشن مشعل ہیں لہذا آپؑ کے مقاصد فطری طور سے نہایت منظم اور شریعت مقدس سے مکمل ہم آہنگ ہیں۔ یہ بحث آپؑ کی زندگی کے ان پہلوؤں کی بھی چند جھلکیاں دکھائے گی ان کو اجاگر کرے گی جن سے انسانی حیت اطمینان و سکون کا احساس کرتی ہے، اور پرہیزگاروں کے دل جن کی یاد سے سرشار ہوتے ہیں

جو بھی تاریخ اسلام پر غور کرے گا بڑی آسانی سے اس بات کا پتہ لگا لے گا کہ اہل بیتؑ اور ان کے ماننے والے دوسرے مسلمانوں پر سبقت حاصل کرکے قرآنی علوم اور احکام کی پاسبانی میں سب سے آگے رہے ہیں۔ کیونکہ حضرت علیؑ نے جمع قرآن اور اس کی تدوین و نگارش کے معاملہ میں ایک منفرد روش اختیار کی تھی جس کے متعلق گزشتہ بحثوں میں تذکرہ ہو چکا ہے۔

اسی طرح یہ کتاب حضرت علیؑ کی صداقت اور دور اندیشی کی بھی نشاندہی کرتی ہے جو ایک خاص روشن فکری اور افکار کی گہرائیوں کا پتہ دیتی ہے قلب کی نورانیت، پاکیزگی روح، علم و بصیرت اور فقہ و دین کے اعلی ترین مدارج پر فائز ہونے کی بنا پر آپ مستقبل کی جو پیش گوئیاں کرتے تھے اور وہ حرف بحرف

درست ہوتی تھیں یہ کتاب اس طرح کی خبروں پر بھی کچھ روشنی ڈالے گی۔
اس بحث کا حسن ختام آپؑ کی سبق آموز نصیحتوں اور حکمتوں پر ہوگا جو صدیوں بعد آج بھی آنے والی نسلوں کے لئے مشعل ہدایت ہیں اور ہر حق پسند انسان کی قدم بقدم رہنمائی کرتی ہیں جو بھی دین خدا، اس کی وحدانیت پر ایمان رکھتا ہوگا وہ آپؑ کی انھیں حکیمانہ اور سبق آموز نصیحتوں کے سایے میں اپنی حیات کو خوشگوار بنا لے گا۔

ہم یہ کتاب اس امید کے ساتھ پیش کر رہے ہیں کہ ہماری نئی مجاہد نسل اس سے فائدہ اٹھائے گی خدا سے دعا ہے کہ وہ اس سلسلے کو جاری رکھنے میں ہماری مدد کرے اور ہم اسلام کی حقیقت سے آشنا ہو جائیں، سیرہ رسول اعظمؐ اور اہل بیتؑ، فرشتوں کے نزول کی منزل، وحی کی آماجگاہ کے متعلق باتیں کریں، خدا ہم سب کو ان کے پیروی کرنے کی توفیق عنایت فرمائے، اور روز حساب ان کی شفاعت ہمارے حصے میں آئے۔

آمین

آغاز

پہلے حصہ میں ہم یہ جان چکے ہیں کہ دور نبوت میں حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت کی تعمیر میں آنحضرت کا بڑا اہم کردار رہا ہے ۔ حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت کے مختلف عناصر کی تشکیل بلا واسطہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی میں ہوئی یہاں تک کہ آپ کی ذات گرامی نبوت اور اس کی خصوصیات کے علاوہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کے مختلف فکری و اعتقادی زاویوں کی ایک حقیقی تصویر بن گئی ۔

خود حضرت علی علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت اور اپنی شخصیت کی تعمیر میں اس کی تاثیر کا ذکر بڑے کھلے اور واضح انداز میں کیا ہے ۔

" رشتہ داری اور قرابت داری کے لحاظ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک میری خاص منزلت کا تمہیں بخوبی علم ہے ، جب میں بچہ تھا وہ مجھے گود میں لیتے ، اپنے سینے میں بھینچتے ، اپنے بستر میں سلاتے تھے میں ان کی خوشبو سونگھتا ، وہ غذا چبا

کر میرے منہ میں ڈال دیتے تھے ، اور کبھی میرے کسی قول یا عمل میں جھوٹ کا شائبہ بھی نہ رہا ۔ خدا وند عالم نے بچپن ہی سے آنحضرتؐ کے ساتھ اپنے سب سے زیادہ با عظمت فرشتے کو آپؐ کے ساتھ کر دیا تھا جو رات و دن آپ کو اخلاقی خوبیوں اور دنیوی اچھائیوں کا درس دیا کرتا تھا میں بھی اپنی ماں کے پیچھے دوڑنے والے اونٹنی کے بچے کی طرح آنحضرت کے ساتھ لگا رہتا آپؐ ہر روز علم کی ایک نشانی بلند کرتے اور مجھے اس کے اتباع کا حکم دیتے ۔ ہر سال غار حرا میں گوشہ نشیں ہو جاتے جہاں میرے علاوہ کوئی اور آپ کو نہیں دیکھ سکتا تھا اس زمانے میں اسلام کے نام پر صرف خدیجہ اور محمدؐ کا گھر تھا اور میں ان دونوں کے ساتھ تیسرا تھا نور وحی کا مشاہدہ کرتا ، نبوت کی خوشبو سونگھتا اور وحی کے نزول کے وقت میں بھی شیطان کی چیخ سنا کرتا تھا ایک دفعہ میں نے پوچھا ۔

یا رسول اللہ یہ چیخ کیسی ہے ؟

تو آپ نے فرمایا :

یہ شیطان ہے جو اب اپنی پوجا سے نا امید ہو چکا ہے اے علیؑ جو میں سنتا ہوں وہ تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں وہی تم دیکھتے ہو فرق صرف یہ ہے کہ تم نبی نہیں ہو لیکن تم پیغمبر کے وزیر ہو اور بلاشبہ نیکی کے راستے پر گامزن ہو ۔" (۲)

مندرجہ بالا عبارت ، حضرت علی علیہ السلام کی سیرت کے سلسلے میں دوسرے تاریخی شواہد کے ساتھ رسالت کی نورانی فضا سے آپؑ کے عمیق اور وسیع استفادے کی قدرت ، اور اپنے بعد امت کی فکری اور سیاسی مرکزیت کو علیؑ کی ذات سے مخصوص کرنے کے لئے رسول اکرمؐ کی کاوشوں کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیتی ہے ۔ اس تربیت کا سلسلہ اس وقت سے شروع ہوگیا تھا ، جب حضرت علیؑ بچے تھے اور

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی گود میں دنیا کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ اس لحاظ سے علی علیہ السلام پروردۂ رسالت ہیں، اور آپ کو رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی عظمتوں کو سیکھنے کے لیے جتنے سنہری مواقع حاصل ہوئے وہ کسی اور کو میسر نہ ہوسکے۔

آغاز طفولیت ہی سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت اور خاص توجہ کا آپ کی شخصیت کو بنانے سنوارنے میں بڑا اہم کردار رہا جن کا ذکر ہم اسی بحث کے آغاز میں کر چکے ہیں، لیکن مقدس دعوت کے آغاز سے لیکر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحات کے دوران اس تربیت نے نئی شکل اختیار کرلی تھی اس کی وسعت میں اضافہ ہوتا گیا اور یہ روز بروز مضبوط ہوتی چلی گئی۔

اس سلسلے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بہت سے شواہد ہیں ان کے علاوہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کے سلسلے میں حضرت علی علیہ السلام کی سچی لگن، جد و جہد اور پر خلوص کوششوں سے ہم بخوبی واقف ہیں جب کہ خود رسول اعظمؐ بھی رسالت کے فکری پہلوؤں، اس کے اغراض وحقائق اور تقاضوں سے آپؑ کو خاص طور پر روشناس کرانے کے ساتھ ساتھ الٰہی تہذیب سے بھی آشنا کراتے تھے۔

دن رات میں کئی گھنٹے آنحضرتؐ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تنہا ہوا کرتے تھے تاکہ وہ رسالت کے مفہوم نیز پیغمبرؐ کے ذریعے شروع ہونے والی اس راہ کی مشکلات اور اس کی عملی راہ حل سے آگاہ ہو سکیں۔

نسائی نے عبد اللہ ابن عمر ابن ہند جملی سے حضرت علیؑ کا قول یوں نقل کیا ہے:

" میں جب بھی حضرت رسول اکرمؐ سے کوئی بات دریافت کرتا تھا تو آپؐ مجھے ضرور جواب دیتے تھے اور جب میں خاموش ہوتا تھا تو وہ خود ہی گفتگو شروع کرتے تھے۔" (۳)

ابن عباس نے حضرت علیؑ کا قول نقل کرتے ہیں کہ: میرا آنحضرتؐ سے دو طرح کا رابطہ تھا ایک دن کا (جو سب کے ہمراہ ہوتا تھا) اور شب کا (جس میں وہ اور میں تنہا ہوتے تھے) ابو سعید خدری سے نقل ہے کہ: پیغمبر اکرمؐ کے حضرت علیؑ کے ساتھ ایسے تعلقات تھے جو کسی سے بھی نہیں تھے۔"

عبد اللہ بن یحیی نے حضرت علیؑ سے نقل کیا ہے کہ: ہر شب میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اگر وہ نماز پڑھتے ہوتے تو تسبیح پڑھ کر مجھے اشارہ فرماتے اور میں داخل ہو جاتا اور اگر نماز میں نہ ہوتے تو خود مجھے اندر بلاتے تھے۔" (۴)

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ: بخدا علیؑ، پیغمبرؐ سے سب سے زیادہ ملتے تھے اس روز صبح کہ جب آنحضرتؐ اس دنیا سے تشریف لے جا رہے تھے آپؐ نے حضرت علیؑ کو بلوا بھیجا۔ آپ فرماتی ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپؐ نے انھیں کسی کام سے بھیجا تھا، اس دوران آنحضرتؐ نے دریافت کیا: کیا علیؑ آ گئے؟ یہ سوال حضرتؐ نے تین مرتبہ کیا۔ حضرت علیؑ صبح صادق سے پہلے تشریف لائے ہم سمجھ گئے کہ پیغمبرؐ ان سے کچھ کہنا چاہتے ہیں ہم لوگ حجرے سے باہر نکل آئے، میں دروازے سے لگ کر بیٹھ گئی۔ میں ہی کمرے سے سب سے زیادہ قریب تھی۔ علی علیہ السلام پیغمبر پر جھک گئے اور ان کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہو گئے علی آنحضرت کے آخری

ساتھی تھے۔"

جی ہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے حضرت علی علیہ السلام کے سلسلے میں یہ خاص اہتمام اور تیاریاں در اصل آپ کو نبوت کے خاتمہ کے بعد اپنی امت کی سیاسی و فکری مرکزیت سونپنے کے مقدمات تھے۔

اسلام کے مقدس آئین نے ایک طرف تو اس کی پیش بینی کی اور مختلف عناوین اور طرح طرح کے ذرائع سے امت کے آئندہ رہبر کی نشاندہی کرتے ہوئے امت مسلمہ کے لیے حضرت علی علیہ السلام کی امامت کو مجسم کر دیا تھا اور دوسری طرف سے قانونی طور پر آپ کی امامت کا اعلان کر دیا تھا۔

فضائل علیؑ احادیث رسول اکرمؐ میں

ہم یہاں پر حضرت علیؑ کی امامت کے لئے شائستگی کے صحیح نصوص میں وارد کچھ عوامل کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ رسول خداؐ نے فرمایا:

" **مثل علی فیکم کمثل کعبة** "(۵)

(تمہارے درمیان علی کی مثال کعبہ کی طرح ہے۔)

جس طرح نماز کے لئے صرف کعبہ ہی تمام عالم کے مسلمانوں کے لیے قبلہ ہوتا ہے اسی طرح علیؑ کو بھی تمام عالم اسلام کی توجہ کا مرکز ہونا چاہیے۔

۲۔ امام علی علیہ السلام ایک ایسی درست و شخصیت ہیں جن سے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد، امت علوم الٰہی اور شرعی معارف کی تعلیم

حاصل کرتی ہے آپ کے علاوہ کوئی اس لائق نہیں ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔

" علی باب علمی و مبین لامتی ما ا رسلت به من بعدی ، حبه ایمان و بغضه نفاق "(۶)

(علیؑ میرے علم کا دروازہ اور میرے بعد میری رسالت کو میری امت کے لئے بیان کرنے والے ہیں۔ان کی محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق ہے"۔

" انا مدینه العلم و علی بابها "(۷)

(میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔)

۳۔ لوگوں میں عدل کے قیام کے لئے علیؑ، رسول کی طرح ہیں۔ اور آپ کے ہاتھ آنحضرتؐ کے ہاتھ کی طرح تھے۔

رسول خداؐ نے فرمایا ہے:

" یا ابا بکر کفی و کف علی فی العدل سواء "(۸)

(اے ابوبکر میری ہتھیلی اور علیؑ کی ہتھیلی عدل میں برابر ہے۔)

۴۔ پیغمبر اکرمؐ نے علیؑ کو اپنے مقدس نفس کے عنوان سے یاد کیا ہے احمد بن حنبل نے مسند میں عبداللہ بن حنطب سے روایت کی ہے:

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قبیلہ ثقیف سے آنے والے گروہ سے فرمایا:
" کیا تم اسلام قبول کر رہے ہو؟ یا پھر میں تمہارے پاس ایسے کو بھیجوں جو خود میری طرح ہے تاکہ وہ تماری گردنیں اڑا دے اور تمہاری اولاد کو قیدی کر لائے اس کے بعد آپؐ نے علیؑ کی طرف رخ کیا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: وہ آدمی یہ ہے۔

" لابعثن الیکم رجلاً کنفسی۔"(۹)

۵۔ رسول خداؐ کے بعد قضاوت کے سلسلے میں حضرت علی علیہ السلام سے بڑا امت میں کوئی عالم نہیں تھا۔
انس بن مالک نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: **" اقضی امتی علی "** (۱۰)
(میری امت میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں۔)
رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اپنے اس قول سے ہمیں یہ سمجھا دیا ہے کہ امت کی قیادت اور ذمہ داریوں کے لیے سب سے زیادہ مناسب علیؑ ہیں، امت کے آپسی اختلافات کو بخوبی سلجھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔
۶۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے:

"علی مع الحق و الحق مع علی و لن یفترقا حتی یردا علی الحوض یوم القیامۃ۔ " (۱۱)
(علیؑ حق کے ساتھ اور حق علی کے ساتھ ہے یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ روز قیامت حوض پر میرے پاس آجائیں گے۔)
۷۔ اس بات پر توجہ رکھتے ہوئے کہ علیؑ، حق کے ہمراہ ہیں اور خدا وند عالم نے اپنے بندوں کو حق کی طرف بلایا ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ رسول خداؐ نے اپنی امت کو انہیں کے راستے پر چلنے اور اسی پر گامزن رہنے کی دعوت دی ہے، تاکہ وہ لوگوں کو انحراف و گمراہی سے دور کر دیں۔ اس طرح لوگ گمراہیوں کے راستے پر چلنے سے بچ جائیں۔ آنحضرتؐ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

" ستکون من بعدی فتنۃ فاذا کان ذلک فالزموا علی بن ابی طالب و

هو اول من یرانی و اول ما یصافحنی یوم القیامۃ و هو منی فی السماء العلیا و هو الفاروق بین الحق و الباطل "(۱۲)

(میرے بعد ایک فتنہ اٹھے گا جب ایسا ہو تو تم لوگ علی ابن ابی طالب کے پابند رہنا کہ وہ روز قیامت سب سے پہلے مجھے دیکھیں گے اور مجھ سے سب سے پہلے مصافحہ کریں گے وہ بلند آسمان میں مجھ سے ہیں وہی حق و باطل کو ایک دوسرے سے جدا کرنے والے ہیں۔)

۸۔ حضرت علی علیہ السلام کے ایمان اور ان کی ذات کے مختلف وسیع پہلوؤں کے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"اگر زمین و آسمان ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور دوسرے پلڑے میں علیؑ کا ایمان رکھ دیا جائے تو علیؑ کے ایمان کا پلڑا بھاری ہوگا۔" (۱۳)

یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کے مطابق وہ چند عوامل ہیں جو علی علیہ السلام کی امامت کی اہلیت و صلاحیت کو واضح کر دیتے ہیں۔

امامت کی نصوص

جہاں تک ان نصوص اور دلائل کی بات ہے جو فکری اور سیاسی امور کی تدبیر میں امت کی امامت کے لحاظ سے بالکل واضح ہیں پیش خدمت ہیں۔

" انما ولیکم اللّٰہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلاۃ و یوتو ن الزکاۃ و ھم راکعون و من یتول اللّٰہ و رسولہ و الذین آمنوا فان حزب اللّٰہ ھم الغالبون۔ " (مائدہ / ۵۶۔۵۷)

(یقیناً تمہارا مدد گار اور سرپرست خدا اور اس کا رسول ہے اور وہ ایمان لانے والے ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکات دیتے ہیں اور جو بھی خدا ، اس کے رسول کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے تو بلا شبہ اللہ کا لشکر ہی غالب ہے "

مفسروں نے کہا ہے کہ آیت ولایت ، حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے ۔ اس کے ذریعہ اس بات پر تاکید کی گئی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت واجب ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد معاشرے کی فکر و تدبیر میں امت اسلام کو ان کی مرکزیت و قیادت تسلیم کرنا واجب ہے ۔

یہ آیت تمام مفسروں اور راویوں کے اتفاق سے حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اس آیت کے نزول کا سبب یہ تھا کہ مسجد نبوی میں سائل نے آکر آواز لگائی اور مسلمانوں سے مدد طلب کی ، امام علی علیہ السلام رکوع میں تھے آپ نے اسی حالت میں سائل کو اپنی انگلی سے اشارہ کیا اس نے آپ کے ہاتھ سے انگوٹھی اتار لی اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی ۔ (۱۴)

۲۔ خطبۂ غدیر ، یہ خطبہ آنحضرتؐ نے آخری حج کی انجام دہی کے بعد لوٹتے وقت غدیر خم کے میدان میں دیا تھا " براء بن عازب " کا قول ہے ۔

" ہم پیغمبرؐ کے ساتھ حج انجام دینے کے بعد مکہ سے لوٹ رہے تھے ایک منزل پر کارواں روک دیا گیا اور اذان دی گئی اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور لوگوں سے فرمایا ۔

" کیا میں مومنین کے نفوس پر ان سے زیادہ حق دار نہیں ہوں ؟ "

ان لوگوں نے جواب دیا ۔

"کیوں نہیں ۔"

آپ نے فرمایا :

"میں جس کا مولا ہوں یہ علیؑ بھی اس کے مولا ہیں پالنے والے ! جو اسے چاہے اسے دوست رکھ اور جو اسے دشمن رکھے تو اسے دشمن رکھ ۔" (۱۵)

احمد بن حنبل کی عبارت میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

" من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ (۱۶)

۲ ۔ ام سلمہ نے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

" ان اللہ اختار لکل نبی وصیاً و علی وصیی فی عترتی و اھلبیتی و امتی بعد ی" (۱۷)

(خدا وند عالم نے ہر نبی کے لیے ایک وصی چنا ہے اور میرے بعد علی میری عترت ، میرے اہل بیت اور میری امت میں میرے وصی ہیں ۔)

یہ وہ اسلامی روایتیں ہیں جن صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے یہ روایات امت کی رہبری اور فکری و سیاسی مرکزیت کو علی علیہ السلام کی ذات سے مخصوص کرتی ہیں ۔ مسئلہ امامت کی دوسری مختلف سند یں اور مصادر کے لیے اس سے متعلق کتابیں جیسے الغدیر، علامہ امینی ، دلائل الصدق ، محمد حسین مظفر ، احقاق الحق ، قاضی نور اللہ ششتری ، عبقات الانوار، سید میر حامد حسین ، المراجعات، سید شرف الحسین شرف الدین عاملی وغیرہ دیکھی جا سکتی ہیں ۔

حضرت علیؑ کی شخصیت
اور اس کے بنیادی عناصر

اگر الٰہی تربیت کا رسول خداپہ اثر تھا کہ آپؐ قرآنی نقطۂ نظر سے دنیا میں روحی فضائل و کمالات کا زندہ نمونہ بن گئے تو تربیت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بھی علی علیہ السلام کی ذات پر یہ اثر ہوا کہ وہ ہدایت اور تفکراتی نقطۂ نگاہ سے رسول خدا کے وجود کی جیتی جاگتی تصویر بن گئے۔

گذشتہ صفحات میں ہم ان نصوص اور دلائل کا ذکر کر چکے ہیں جو عالم اسلام میں علی علیہ السلام کی شخصیت ان کے مرتبے ، اہمیت اور ان کی ضرورت کو صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

وہ برائیوں اور آلودگیوں سے پاک ، ہارون امت اور ایک ایسی شخصیت تھے جن کے ہاتھ عدل و انصاف کی اشاعت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ کے مانند تھے ، آپ حق کے ساتھی ، علم الٰہی کے دروازے ، امت کے فاروق اور

حق و باطل کو ایک دوسرے سے جدا کرنے والے تھے۔
یہ علامتیں اور نشانیاں وہ تمغے ہیں جنہیں اسلام نے حضرت علی علیہ السلام کے نورانی سینے پر سجایا ہے اور جو حقیقت میں آپ کی زندگی میں درخشاں ہوئے۔
یہ مبارک صفات ایک ایسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں جو اس پھل دار تناور درخت کے اوپر کی جانے والی رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محنت و تربیت سے لے کر آخر تک کے اثرات کو واضح کرتی ہے۔ اور جب تک ہم اس کتاب میں منعکس حضرت کی شخصیت کے ان عوامل پر توجہ نہ کریں تو شاید ہم علیؑ کے سینے پر سجے ہوئے ان ملکوتی تمغوں کی اہمیت کو محسوس نہیں کر سکتے۔

خدا سے حضرت علیؑ کا لگاؤ

گذشتہ صفحوں میں رسول خدا کی شخصیت کے متعلق گفتگو کے دوران ہم یہ بتا چکے ہیں کہ کسی بھی بندہ مومن کا خدا سے رابطہ اس کی زندگی کے کسی ایک زاویے تک محدود نہیں ہوتا بلکہ خدا وند عالم نے اپنی شریعت میں بندوں کے لیےاس رابطہ کی جو کیفیت بیان کی ہے ؛ خدائے متعال کےلیے ہر چیز سے جدائی ۔ اپنی زندگی کے ہر زاویے اور حرکت سے یہی ظاہر ہو کہ اسکی ذات صرف خدا کے لئے ہے چاہے وہ نماز یا روزہ ، حج ہو یا درگاہ بندگی میں اعتکاف اس طرح کے تمام عبادی و سماجی اور گھریلو روابط ، حکومتی معاملات ، زندگی اور موت ہر ایک جگہ خدا سے رابطہ برقرار رہے۔
قرآن مجید نے بندے کے اپنے خدا سے رابطے کو اس طرح بیان کیا ہے :

قل ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للّہ رب العالمین (انعام / ۱۶۲)
(اے رسول) کہہ دو میری نماز و قربانی ، زندگی و موت سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے جو عالمین کا پروردگار ہے)

اس کے علاوہ اسلام کے عظیم شعائر ، جیسے نماز ، روزہ ، حج ، وغیرہ حالانکہ خدا کے سامنے اظہار عبودیت کے مجموعہ کا جز اعظم ہیں اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہیں لیکن مذکورہ شعائر ایک خاص اہمیت کے حامل ہیں ان کے انجام دینے کی کیفیت اور وقت اور عدد ، شارع مقدس کے حکم پر منحصر ہے اور یہ چیزیں خدا وند متعال کی طرف سے جس قالب و شکل میں نازل ہوئی ہیں ، بغیر کسی تبدیلی اور تغیر کے ٹھیک اسی کیفیت سے انجام پانا چاہیے ۔

ان شعائر کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ انہیں صرف قصد اطاعت اور خدا کی رضا کے حصول کے لیے انجام دینا چاہیئے اس کے علاوہ ان میں کوئی اور عامل دخیل نہیں ہو سکتا ۔ اسی لیے اگر ان عبادتوں میں ریا کاری شامل ہو جائے تو پھر ان کا عبادی پہلو ختم ہو جاتا ہے ۔

لیکن زندگی کے دوسرے معاملات میں ایسی خصوصیات اور اس طرح کے امتیازات نظر نہیں آتے حالانکہ وہ بھی کسی نہ کسی طرح اپنی نوعیت کے لحاظ سے خدا وند متعال کی عبادت کے دائرے ہی میں آتے ہیں جیسے شادی بیاہ ، اقتصادی امور یا اس سے مشابہ دوسرے معاملات اسلامی شریعت کے لحاظ سے بندگی کے دائرے میں شامل ہیں لیکن بہر حال ان میں اور نماز کی نوعیت میں بڑا فرق ہے ان امور میں جو بھی شریعت کی پابندی کرتا ہے وہ عبودیت کے معاملہ میں التزام کا زیادہ خیال رکھتا ہے لیکن ان میں سے ہر ایک عمل مختلف مقصد کے لئے تشریع کیا گیا ہے مثلاً شادی کا

مقصد انسان کو حرام کام سے باز رکھنا ہے اسی لئے حدیث میں شادی کو نصف ایمان محفوظ کرنے کا ذریعہ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں میاں بیوی کے آپسی حقوق کے متعلق احکام کی پابندی مومنین پر واجب ہے اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ شادی کی خواہش اس جنسی تقاضے کا نتیجہ ہوتی ہے جو انسان کو طبعی طور سے اس طرف راغب کر دیتا ہے بالکل یہی حال ان دوسرے امور کا بھی ہے جو غیر عبادی پہلو رکھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ شادی اور دوسرے اقتصادی مسائل، ہر زمانے میں نزول قرآن سے پہلے اور اس کے بعد ایک فطری ضرورت کی شکل میں موجود رہے ہیں اور اسلام نے انہیں صرف شرعی قالب میں ڈھال دیا ہے۔

اسی بنا پر انسان اور خدا کے درمیان موجود رابطے کا جو معیار ہم نے بتایا ہے اسی کسوٹی پر ہم خدا سے حضرت علی علیہ السلام کے تعلق کا دینی فرائض اور اسلامی روشوں کے تناظر میں جائزہ لیں گے۔

امام علیؑ کی عبادت کے چند نمونے

جیسا کہ ہم مقدمے ہی میں بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تربیت اور خاص توجہ کا نتیجہ تھی۔ اسی لئے آپؑ کی شخصیت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شخصیت سے جڑی ہوئی ہے اور آپ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں جیسے بندگی، طرز فکر وغیرہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی گہری چھاپ آپ پر نظر آتی ہے، آپ انہیں کی راہ پر گامزن اور انہیں کی سنت کو نمونۂ عمل بنائے ہوئے اسی روش پر چل رہے تھے۔ حقیقت میں حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ اور کون ہے جس نے واقعی اور حقیقی معنوں میں مکمل طور سے سنت نبوی کو اپنی ذات میں منعکس کر لیا ہو۔
چونکہ ہم حضرت علی علیہ السلام کی بندگی کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں لہذا یہاں چند ایسے نمونے پیش کئے جا رہے ہیں جن سے ان بلند و بالا چوٹیوں کا کچھ شعور بھی

پیدا ہو جائے جن پر حضرت علی علیہ السلام قدم رکھ چکے ہیں۔

آپؑ کی نماز اور گریہ و زاری

"عروۃ بن زبیر" ابوالدرداء سے امام کی حالت نماز میں گریہ و زاری اور حد درجہ توبہ کے متعلق ایک حدیث اس طرح نقل کرتے ہیں :میں نے بنی نجار کے نخلستان میں علیؑ کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ اپنے اصحاب اور غلاموں سے الگ ہوکر کھجور کی شاخوں میں پوشیدہ ہو گئے تھے وہ میری نگاہوں سے بھی اوجھل ہوگئے میں نے سوچا ان کے قریب جاکر دیکھنا چاہیے کہ وہ کہاں ہیں میں جیسے ہی نزدیک پہنچا آپ کی واندوہ میں ڈوبی ہوئی فریاد سنائی دی آپؑ بڑے دردناک لہجے میں کہہ رہے تھے :

" پالنے والے !کتنے ایسے گناہ ہیں جن پر تونے اپنے حلم کی وجہ سے عذاب نازل نہیں کیا اور کیسے کیسے جرم ہیں جن پر تونے اپنی بزرگی و کرم کی وجہ سے پردہ ڈال دیا۔ پالنے والے !اگر میری زندگی میں تیری نافرمانی بڑھنے لگے اور میرے گناہ اعمال نامہ میں بڑے ہو جائیں تو میں تیری بارگاہ کے علاوہ کہیں اور سے بخشش کی امید نہیں رکھونگا اور تیرے علاوہ کسی اور سے امید نہیں لگاؤں گا اور مجھے تیری رضا و خوشنودی کے علاوہ اور کسی چیز کی آرزو نہیں ہے۔

اس ملکوتی آواز نے مجھے گم کر دیا میں اسی کی سمت چل پڑا ،اچانک مجھے علی ابن ابی طالب علیہ السلام نظر آئے میں ایک گوشے میں خاموشی سے چھپ کر کھڑا ہوگیا وہ اس اندھیری رات میں نمازیں پڑھ رہے تھے ،اس کے بعد انھوں نے دعائیں کیں اور بہت روئے منجملہ ان کی ایک مناجات یہ بھی تھی :

" پالنے والے جب میں تیرے عفو کے دامن کو دیکھتا ہوں تو میری غلطیاں بہت معمولی نظر آتی ہیں، لیکن جب میں تیرے غضب کو یاد کرتا ہوں تو میری معصیت بہت بڑی نظر آنے لگتی ہے۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

" اگر میں اپنے نامہ اعمال کو دیکھوں اور وہاں مجھے بھولے بسرے گناہ نظر آئیں جنہیں تو نے لکھ رکھا ہے اور پھر تو کہے: اسے پکڑ و، وائے ہو اس پر کہ جس کے قبیلے والے اس کو فائدہ نہ پہنچا سکیں، جس کی پر کوئی رحم کرنے والا نہ ہوا اور جس کی فریادوں پر کوئی کان نہ دھرے۔"

اس کے بعد آپ نے بڑے غم انگیز لہجے میں فریاد کی:

" ہائے وہ آگ جو جگر اور گردوں کو بھون دیتی ہے! ہائے وہ آگ جو کھال ادھیڑ دیتی ہے! ہائے اس آگ کے بھڑکتے شعلے!"

ابو الدردا کہتے ہیں: اس کے بعد آپؑ رونے لگے جس کے بعد میں نے ان کی نہ تو کوئی آواز سنی اور نہ ہی کوئی حرکت نظر آئی۔ راوی کا مزید بیان ہے: جاگنے کی وجہ سے ان پر نیند غالب آگئی ہے۔ اب نماز صبح کے لئے آپؑ کو بیدار کروں گا، یہ سوچ کر میں جیسے ہی آگے بڑھا امام علیؑ کسی خشک لکڑی کی طرح زمین پر پڑے ہوئے دکھائی دیئے، میں نے آپ کو ہلایا ڈلایا مگر آپؑ کے جسم میں کوئی جنبش نہ ہوئی میں نے انہیں کھڑا کرنا چاہا مگر وہ اس جگہ سے اٹھ نہ پائے۔

میں نے کہا: انا للہ و انا الیہ راجعون، خدا کی قسم علی ابن ابی طالب نے دنیا کو الوداع کہہ دیا ہے میں آپ کی موت کی خبر لیکر آپ کے خاندان والوں کی طرف چل پڑا۔

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے پوچھا: ابو الدرداء بات کیا ہے؟
میں نے جو کچھ دیکھا تھا وہ بتا دیا۔
انہوں نے جواب میں فرمایا: اے ابو الدرداء خدا کی قسم یہ بیہوشی خدا کے خوف کی وجہ سے ہے۔
اس کے بعد پانی لا کر حضرت علی علیہ السلام کے چہرے پر چھڑکا گیا آپ کو ہوش آیا آپؑ نے جب مجھے روتے دیکھا تو پوچھا:
ابو الدرداء کیوں رو رہے ہو؟
میں نے کہا: آپ نے جو اپنا یہ حال بنا رکھا ہے۔
آپ نے فرمایا: ابو الدرداء تم اس وقت کیا کہو گے اگر مجھے اس عالم میں دیکھو کہ میں حساب کے لیے بلایا گیا ہوں، گنہگار آخرت کے عذاب کا مشاہدہ کر رہے ہوں عذاب کے تند خو فرشتے مجھے گھیرے ہوں اور میں قہار و جبار حاکم کے سامنے کھڑا ہوا ہوں دوست مجھے چھوڑ چکے ہوں اور دنیا والے مجھے بھگا چکے ہوں؟
جب تم مجھے خدائے حکیم کے سامنے اس طرح کھڑے دیکھو گے تو مجھ پر زیادہ ترس کھاؤ گے: ابو الدرداء کہتے ہیں، خدا کی قسم! میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کسی صحابی کی ایسی کیفیت نہیں دیکھی (۱۸)
یہ خدائے وحدہ لا شریک سے رابطے اور اس سے خوف و حراس کا ایک نمونہ ہے۔
جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اس قول سے کہ خدا کی قسم وہ خوف خدا کے عالم میں بیہوش ہو جاتے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تضرع و دعا کے وقت خدا کے خوف سے بیہوش ہونا حضرت علی علیہ السلام کی عادت تھی جس سے آپؑ کے گھر والے بخوبی آگاہ تھے۔ اسی لئے جب ابو الدرداء اہل بیت علیہم السلام آپؑ کی وفات کی

اطلاع لے کر پہنچے تو انہوں نے گھبرانے کے بجائے ان سے پوری بات بتانے کو کہا اس کے بعد جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا نے اس سے کہا۔ ہمارے لیے علیؑ کی یہ کیفیت نئی نہیں ہے وہ نماز اور خوف خدا کے کے وقت ایسی ہی کیفیتوں سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح آپؑ کی رات کی عبادتوں کے سلسلے میں " نوف بکالی " روایت کرتے ہیں کہ ایک رات میں امیر المومنینؑ کے پاس تھا وہ پوری رات نماز میں مشغول رہے ہر گھنٹے پر وہ باہر نکل کر آسمان کی طرف نگاہیں اٹھاتے اور قرآن کی تلاوت کرتے تھے، جب خاصی رات گذر گئی تو آپ نے میرے پاس آکر فرمایا:

نوف! سو رہے ہو یا جاگ رہے ہو؟

میں نے کہا:

میں جاگ رہا ہوں اور آپ کو دیکھ رہا ہوں۔

آپ نے فرمایا: اے نوف! کتنے اچھے ہیں دنیا سے دوری اور آخرت سے رغبت رکھنے والے افراد ... جنہوں نے زمین کو بستر، مٹی کو تکیہ اور پانی کو عطر بنا لیا، قرآن ان کا اوپری لباس اور دعا ان کا لباس زیریں ہوتا ہے اور وہ عیسیٰ بن مریم کی طرح دنیا سے الگ ہوتے ہیں۔ (۱۹)

حضرت علی علیہ السلام اسی طرح تھے خدا سے آپ کا رابطہ نہایت مضبوط اور پیغمبروں کی روش سے آپ کا تمسک نہایت قوی تھا، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبودیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کے حقیقی ترجمان تھے۔ ذرا دیکھیں تو ان کا مقدس وجود کس طرح خدا کے سامنے خضوع اور اس کی خوشنودی طلب کرنے کے لیے گم ہوجایا کرتا تھا آپ کی راتوں کی عبادتیں اور پوری

عمر نماز شب کے متعلق ابویعلی نے مسند میں امام علیہ السلام کے قول کو نقل کیا ہے ,میں نے اس وقت سے کبھی نماز شب ترک نہیں کی جب سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نماز شب نور ہے۔ **صلواۃ اللیل نور** ۔" یہ سن کر " ابن کوا " پوچھنے لگا " **لیلۃ الھریر** " میں بھی (جنگ صفین کی ایک رات جب سردی شدت سے پڑ رہی تھی اور جنگ خطرناک صورت حال میں داخل ہوچکی تھی) آپ نے نماز شب ترک نہیں کی ؟

امامؑ نے فرمایا: ہاں ,میں نے اس رات بھی نماز شب ترک نہیں کی۔ (۲۰)۔

توجہ اور خوف خدا

خدائے متعال کی بارگاہ کی طرف امام علیہ السلام کی توجہ اور اس سے لگاؤ کا یہ عالم تھاکہ " قشیری " نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ : جب بھی نماز کا وقت ہوتا تھا آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا اور آپ کانپنے لگتے تھے ، جب لوگ آپ سے پوچھتے : یہ آپ کو کیا ہوگیا ہے ؟ تو امام علی علیہ السلام فرماتے تھے : الٰہی امانت ادا کرنے کا وقت آگیا ہے وہ امانت جسے خدا وند عالم نے زمین و آسمان کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن انسان نے اپنی کمزوری اور ناتوانی کے باوجود اسے قبول کرلیا مجھے نہیں معلوم کہ میں ٹھیک طرح سے اس ذمہ داری کو نبھا بھی سکوں گا یا نہیں ! (۲۱)

اشتیاق نماز

آپؑ کے حد درجہ نماز پڑھنے کے متعلق امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: علی ابن الحسین (امام زین العابدین) علیھم السلام دن و رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے جس طرح امیر المومنین ہر روز اتنی ہی رکعت نماز پڑھا کرتے تھے (۲۲)

سلیمان بن مغیرہ نے اپنی ماں سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے: میں نے ام سعید سے پوچھا کہ ماہ رمضان میں علی علیہ السلام کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ اس نے جواب دیا: ان کے لیے رمضان و شوال ایک ہی جیسا تھا وہ ہر رات عبادت کرتے تھے۔ (۲۳)

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: حضرت علی علیہ السلام اپنی عمر کے اواخر میں ہر دن اور ہر رات ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ (۲۴)

شکر گزاروں کی عبادت

امام علیہ السلام کی نگاہوں میں اپنے معبود کا مقام بہت ہی با عظمت تھا اسی لیے آپ کی عبادتوں سے خدا سے ملاقات کاشوق اور اس کی محبت جھلکتی تھی۔ آپ خدا کو عبادت کے لائق سمجھتے تھے اور اس لیے اس کی عبادت کرتے تھے، خدا کی عبادت اس کے عذاب کے ڈر سے نہیں کرتے اور نہ ہی آپ کو جنت اور اس کی لازوال نعمتوں کا کوئی لالچ تھا بلکہ امام علی علیہ السلام کی روح قدسی، خدا کی محبت کے بلند ترین مرحلوں کو طے کر چکی تھی بالکل اپنے استاد اور نمونہ عمل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ...

امام علی علیہ السلام خداوند متعال کی عبادت اور اس سے اپنے رابطے کی حقیقت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں : " **الہی ما عبدتک خوفاً من عقابک ولا طمعاً فی ثوابک و لکن وجدتک اھلاً للعبادۃ فعبدتک ۔** " (۲۵)

" خدایا میں نے تیری عبادت نہ تو تیرے عذاب کے خوف سے کی اور نہ ہی تیرے ثواب کے لالچ میں بلکہ میں نے تجھے عبادت کے لائق پایا تو عبادت کی ۔ "

واقعاً یہ یقین کتنا پر شکوہ ہے اور ایمان کا یہ مرتبہ کتنا بلند ہے ۔ امام علی علیہ السلام اپنے لازوال کلمات میں عبادت کے اقسام اس طرح بیان فرماتے ہیں ۔ کچھ لوگوں نے خدا کی عبادت لالچ کی بنا پر کی یہ تاجروں کی عبادت ہے اسی طرح کچھ لوگوں نے اس کی عبادت ڈر کی وجہ سے کی یہ غلاموں کی عبادت ہے اور ایک گروہ نے خدا کی عبادت شکر و سپاس کی وجہ سے کی یہی آزاد لوگوں کی عبادت ہے ۔ (۲۶)

امام علیہ السلام کی عبادت آخری قسم کی تھی جو اس کی شناخت اور اسے پرستش کے لائق پائے جانے کی وجہ سے تھی ۔ وہ عبادت جو صرف صلے اور جزا کے لیے کی جائے امام علیہ السلام کے بقول تاجروں کی عبادت ہے وہ لوگ جو پیسہ دیکر کوئی چیز اس کے عوض لیتے ہیں ، تاجروں اور شکر گزاروں کی عبادت میں کتنا فرق ہے خداوند متعال کی میزان عدل میں !

حضرت علی علیہ السلام کی نماز بھی آپ کے دوسرے اعمال کی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی طرح تھی ، مطرف بن عبداللہ کا بیان ہے ۔ میں نے اور عمران بن حصین نے حضرت علی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی جب ہم نماز پڑھ کر واپس لوٹے تو عمران نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا ۔ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی نماز پڑھی اور مجھے آنحضرت کی یاد دلادی ۔ (۲۷)

نماز سے انس کا دستور

جس طرح حضرت علی علیہ السلام نماز کو پوری توجہ اور دھیان سے پڑھا کرتے تھے اسی طرح آپ اپنے پیروکاروں کو نصیحت کرتے تھے ۔ ہمیشہ نماز کی فکر میں رہو اور اسے اول وقت پڑھا کرو ان لوگوں کو نماز کی اہمیت کا احساس دلاتے رہتے اور نماز کی وجہ سے مسلمان کے وجود میں جاگزیں ہونے والے اثرات کی وضاحت کرتے ہیں

" ہمیشہ نماز کو یاد رکھو اور اس پر توجہ دو خوب پڑھو اور اس کے ذریعے تقرب چاہو کیونکہ نماز مومنوں کے لیے ایک جاری فریضہ ہے کیاتم اہل دوزخ کی بات پر غور نہیں کرتے کہ جب ان سے سوال کیا جاتا ہے ۔ کس چیز نے تمہیں جہنمی بنا دیا ؟ تو وہ لوگ جواب دیتے ہیں ۔ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے ، نماز گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتی ہے جیسے درخت سے پتے جھڑ جاتے ہیں ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کو اس شفا بخش چشمہ کی مانند بتایا ہے جو انسان کے گھر کے سامنے ہی ہو اور وہ رات دن میں پانچ دفعہ اس سے اپنے بدن کی آلودگیوں کو دھوتا ہو تو کیا ایسی صورت میں اس کے جسم پر گندگی رہ سکتی ہے ؟ "

ہاں واقعاً نماز کی حقیقت کو وہی لوگ سمجھ سکے جنہیں دنیوی زندگی کی چمک دمک نے اپنے اندر گم نہیں کیا اور جو لوگ مال و اولاد کے دیوانے نہ ہوئے ۔

خدا وند سبحانہ و تعالی فرماتا ہے ۔

" ایسے لوگ جنہیں خرید و فروش ذکر خدا نماز و زکات سے غافل نہیں کرتی ۔ "

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله و اقام الصلوة و ايتاء الزكاة ۔ (نور / ۳۷)

جب خدا وند عالم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جنت کی بشارت اس

طرح دی کہ " **وامر اھلک بالصلوۃ و اصطبر علیھا** " اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور اس سلسلے میں صبر کا مظاہرہ کرو۔

آنحضرتؐ اپنے خاندان والوں کو نماز کا حکم دیتے تھے اور خود اس کی ادائگی میں حلیم و بردبار رہتے۔ (۲۸)

روش بندگی اور اس کے بنیادی خطوط

امام محمد باقر علیہ السلام حضرت علی علیہ السلام کی روش بندگی کے متعلق اس طرح فرماتے ہیں:

" جب بھی حضرت علی علیہ السلام کے سامنے خدا کی رضا سے متعلق دو عمل آتے تو آپ ان میں سے سب سے زیادہ بامشقت عمل اختیار کرتے تھے۔ (۲۹)

حضرت علی علیہ السلام خود بھی اپنے متعلق فرماتے ہیں:

" میں اس نفس کو تقوی کے ذریعے سنوارتا ہوں تاکہ روز قیامت کی وحشت سے امان میں رہے۔ " (۳۰)

حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت کے متعلق ضرار بن حمزہ اور معاویہ کے درمیان ہونے والی گفتگو اس حقیقت کو واضح کردیتی ہے:

" خدا کی قسم علی دنوں میں روزہ رکھتے اور راتوں کو نمازیں پڑھا کرتے۔ "

صادق توکل اور راسخ یقین

چونکہ خداوند عالم کی ذات پر بھروسہ پرہیزگاروں کا زاد راہ اور اس کی ذات پر

یقین سچے مومنوں کی پہچان ہوا کرتا ہے جو ان کی زندگی کو عزت مرفعت و اطمینان سے سرشار کر دیتا ہے اسی لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی ذات گرامی ہی متوکلین کے لیے پیشوا اور اہل یقین کے لیے نمونہ عمل تھی۔

یہ تھی آپ کی مہکتی سیرت، جو اس بارے میں مختلف دلائل بھی رکھتی ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: علی علیہ السلام کے پاس قنبر نامی ایک غلام تھا جسے آپ بہت چاہتے تھے جب آپ گھر سے باہر جاتے وہ غلام بھی آپ کے پیچھے پیچھے تلوار کے ساتھ چلتا حضرت علی علیہ السلام نے ایک رات قنبر کو دیکھ لیا آپ نے پوچھا:

قنبر کیا کام ہے؟

قنبر نے عرض کیا: میں آپ کے پیچھے آیا تھا، آپ لوگوں کو تو جانتے ہیں کہیں آپ کو کوئی خطرہ نہ لاحق ہو جائے۔

آپؑ نے فرمایا: تم آسمانی خطرے سے مجھے بچانا چاہتے ہو یا زمین والوں کی طرف سے پیش آنے والے خطرے سے میری حفاظت کرنا چاہ رہے ہو؟

انہوں نے کہا: زمین والوں کی طرف سے پیش آنے والے خطرے سے۔

آپؑ نے فرمایا: جب تک خدا نہ چاہے گا زمین والے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے جاؤ واپس جاؤ۔ یہ سن کر قنبر لوٹ آئے۔" (۳۱)

امام صادق علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا: حضرت علی علیہ السلام ایک دیوار کے پاس بیٹھے لوگوں کے درمیان فیصلے کر رہے تھے: ایک شخص نے کہا:

دیوار کے نیچے نہ بیٹھئے شاید یہ گر پڑے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ جب اجل نہیں آئے گی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا

حضرت علی علیہ السلام جیسے ہی اٹھے دیوار گر گئی۔
آپ کی زندگی میں اس طرح کے واقعات بھرے پڑے ہیں، اسے کہتے ہیں یقین ...
(۳۲)

سعید بن قیس ہمدانی کا بیان ہے۔ میدان جنگ میں ایک دن میں نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جو دو معمولی لباس پہنے ہوئے تھا۔ میں گھوڑا دوڑا کے جب اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ امیر المومنین ہیں۔
میں نے کہا اے امیر المومنین! ایسے خطرناک موقع پر بھی آپ خطرہ محسوس نہیں کرتے؟
آپ نے جواب دیا، ہاں اے سعید بن قیس کوئی ایسا بندہ نہیں ہے جس کے لیے خدا وند عالم نے محافظ معین نہ کیا ہو دو فرشتے بندے کو پہاڑ کی بلندی سے یا کنوئیں میں گرنے سے بچاتے ہیں لیکن جب قضا آجاتی ہے تو وہ اسے حادثوں کے سامنے چھوڑ کر ہٹ جاتے ہیں۔(۳۳) جی ہاں خدا وند متعالی کی ذات اور اس کی قوت پر علی علیہ السلام کو اتنا ہی بھروسہ اور یقین تھا۔

امام علیؑ کے زہد کے چند نمونے

زہد اور اس دنیا سے بے رغبتی وہ صفات ہیں جن سے خدا وند عالم نے علی علیہ السلام کی ذات کو آراستہ کیا تھا عمار یاسر کہتے ہیں، " رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:
خدا وند عالم تمہیں ایسے زیورات سے سجائے جن سے اس نے اپنے کسی بندے کو

آراستہ نہ کیا ہو ۔ وہ خدا کے خالص اور نیک بندوں کا مخصوص زیور ہے جو زہد اور دنیا سے بے رغبتی ہے تمہیں خدا نے ایسا بنایا ہے کہ تم دنیا کی کسی بھی شئے سے اپنے آپ کو آلودہ نہ کرو اور دنیا تمہاری منزلت و رتبے میں کمی بھی نہ کرپائے اس کے ساتھ ہی اس نے تہی دستوں سے قربت تمہارے لیے آسان کردی تاکہ تم ان کی ہمنشینی سے خوش رہو اور وہ تمہاری امامت سے خوش رہیں ۔ [۳۱] (۴۴)

جن صفات سے خدا وند عالم نے امام علیہ السلام کو آراستہ کیا ان میں سے ایک صفت یہ ہے کہ ، امام علیہ السلام نے زندگی کی تمام لذتوں ، خواہشوں اور دلکشیوں سے منہ پھیر لیا تھا اور پوری توجہ و انہماک کے ساتھ آخرت کی طرف متوجہ ہوگئے تھے آپ فقیروں اور خاک نشینوں کی طرح زندگی گزارتے تھے ۔

آپ دنیا اور اس کے پر فریب و پر کشش جلووں سے کوسوں دور رہتے مال و دولت جاہ و حشم اور ہر اس چیز سے آپ دوری اختیار کرتے جس کے لیے دنیا والے دیوانے ہو جاتے ہیں ایک نہایت معمولی گھر میں رہتے تھے جو کسی طرح سے بھی فقراء کے گھروں سے بہتر نہ تھا ، اپنی بیوی یا اپنے ہاتھوں سے ہی تیار کی ہوئی جو کی روٹی کھاتے تھے ۔ یہ تھی آپ کی زندگی ۔ خلافت سے پہلے بھی آپ کی یہی روش رہی اور خلافت کے بعد بھی اس وقت بھی آپ ایسے ہی زندگی گزارتے تھے ۔ جب مشرق و مغرب کے خزانے مدینہ میں اکٹھا ہو رہے تھے اور وہ سب امام علیہ السلام کے قبضے میں رہتے تھے ان سب کے باوجود آپ نہایت معمولی لباس پہنتے آپ کے پیراہن کی قیمت تین درہم سے زیادہ نہ تھی ۔

آپ نے اپنی زندگی کی شروعات سے لیکر آخری عمر تک اس زاہدانہ روش کو برقرار رکھا کوفہ میں تیار کئے گئے محل میں کبھی آپ نے رہنا پسند نہ کیا کیونکہ آپ مصر تھے

کہ فقیروں کی طرح زندگی گزارنا چاہیے۔ (۳۵)
اس کے علاوہ آپ کی زاہدانہ زندگی کے چند اور نمونے پیش خدمت ہیں:
امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: کھانے میں حضرت علی علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ جو کی روٹی، سرکہ اور زیتون کھاتے تھے اور لوگوں کو گوشت و روٹی کھلاتے تھے۔ (۳۶)

اسی طرح امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: انہوں نے پانچ سال حکومت کی لیکن اس دوران آپؑ نے اپنے لئے کوئی عمارت نہیں بنائی اور نہ ہی کسی زمین پر تصرف کیا اور نہ ہی اپنی وراثت میں سونا اور چاندی چھوڑا۔ (۳۷)
عمر ابن عبد العزیز کا ایک قول ہے اس نے کہا: رسول خداؐ کے بعد امت مسلمہ میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو علی علیہ السلام سے زیادہ زاہد ہو انہوں نے اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی (یعنی کوئی عمارت نہیں بنائی) یہاں تک کہ سرکنڈوں کی ایک چھت بھی نہ بنائی۔ (۳۸)
احنف بن قیس کا بیان ہے: میں معاویہ کے پاس گیا، میرے سامنے اتنے انواع و اقسام کے کھانے پیش کئے گئے کہ مجھے بڑا تعجب ہوا، اتنے سارے کھانوں کے بعد بھی معاویہ نے ایک اور قسم کا کھانا لانے کو کہا غلام کھانا لے آئے میں سمجھ ہی نہیں پایا کہ وہ کیا ہے؟
میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟
معاویہ نے جواب دیا: مرغابی کا سنگ دانہ ہے جو مغز اور پستہ کے تیل سے بھرا ہوا ہے اور اس پر شکر چھڑکی ہوئی ہے۔

احنف نے کہا: یہ سن کر میں رونے لگا۔
معاویہ نے پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟
میں نے کہا: حقیقتاً خدا وند عالم نے ابوطالب کے بیٹے کو کیسی صفت سے آراستہ کیاتھا!
وہ اس دنیا سے ایسی لا پرواہی کا اظہار کرتے کہ اس طرح کی دوسری مثال نہ تو نے اور نہ کسی اور نے کبھی سنی ہوگی۔
معاویہ نے کہا: کیسے؟
میں نے کہا: ایک دن افطار کے وقت میں آپ کی خدمت میں شرفیاب ہوا آپ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اٹھو اور حسنؑ و حسینؑ کے ساتھ کھانا کھاؤ۔ اس کے بعد آپؑ نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپؑ نے ایک تھیلی منگوائی جس کے سرے پر مہر لگی ہوئی تھی آپ نے اس کے اندر سے جو کی روٹی نکالی اور پھر اس پر مہر لگا دی۔
میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! میں آپ کو بخیل نہیں سمجھتا، آخر جو کی روٹیوں کو آپ نے مہر بند تھیلی میں کیوں رکھا ہے؟
آپ نے فرمایا: میں نے اس تھیلی پر بخل کی وجہ سے مہر نہیں لگائی ہے بلکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں حسنینؑ اس پر مکھن یا سالن نہ لگا دیں۔
میں نے عرض کیا: امیر المومنین کیا یہ حرام ہے؟
آپ نے فرمایا: لیکن ہم حق کے زمام داروں پر یہ لازم ہوتا ہے کہ کھانے اور پینے کے معاملے میں رعایا کے فقیر ترین فرد سے مطابقت رکھیں، کسی ایسی چیز کے ذریعہ ان میں امتیازی حیثیت نہ اختیار کریں جو ان کے بس سے باہر ہو تاکہ ان یک یہ حالت

دیکھ کر فقیر خدا کے عطیات سے خوش رہے اور دولت مند اللہ کا شکر ادا کرے اور تواضع اختیار کرے (۳۹)

سوید بن غفلہ کہتا ہے . کوفے میں میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ، آپ کے سامنے جو کی ایک روٹی اور ایک پیالہ دودھ رکھا ہوا تھا ، آپ روٹی توڑ توڑ کر دودھ میں ڈال رہے تھے میں نے آپ کی کنیز فضہ سے کہا : کیا تمہیں اس بوڑھے شخص پر رحم نہیں آتا ؟ اسی جو کی روٹی کا ٹکڑا ؟

اس کنیز نے کہا .

امام نے میری طرف رخ کر کے فرمایا : اے غفلت جائے ! اس سے کیا کہہ رہا ہے ؟ میں نے آپ کو اپنی کہا ہوئی بات بتائی اس کے علاوہ میں نے آپ سے کہا . امیر المومنین اپنے اوپر رحم کریں ،

امام علی علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا : تجھ پر وائے ہو اے سوید ۔ رسول خدا اور ان کی خاندان نے کبھی بھی تین روز تک لگا تار گیہوں کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا یہاں تک کہ وہ خدا نے وعدہ سے جا ملے اسی طرح کبھی بھی انہوں نے کھانے میں سالن کا استعمال نہیں کیا (۴۰)

سفیان ثوری نے عمر بن قیس سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا : اس طرح کے لباس سے دل خاشع ہوتا ہے اور یہ مومن کے لیے نمونہ ہوتا ہے ۔ (۴۱)

غزالی کہتا ہے : علی علیہ السلام بیت المال کے استعمال سے حد درجہ پرہیز کرتے تھے یہاں تک کہ کبھی کبھی تو آپ اپنی تلوار بھی بیچ دیتے تھے اور غسل کے وقت صرف آپ کے پاس ایک ہی کپڑا ہوتا تھا اس کے علاوہ آپ کے پاس کوئی دوسرا لباس موجود ہی نہیں تھا ۔ (۴۲)

یہ ہیں علی علیہ السلام اور یہ ہے ان کا دنیا سے زہد، اور دنیوی جلوؤں کی چکا چوند سے بے رغبتی اور رسول خداؐ کی حد درجہ پیروی اور خاک نشینوں کے ساتھ مواسات کے نمونے ۔کیا تاریخ کسی ایسے رہبر سے آشنا ہے جس کے پاس مشرق و مغرب سے خزانوں کے انبار لگے ہوں اور جس کا دارالحکومت کوفے جیسا سر سبز و شاداب شہر ہو لیکن اس کے باوجود وہ عوام کے فقیر ترین افراد کی سطح زندگی کو اختیار کیے ہو، جو کی سوکھی روٹی کھاتا ہو، معمولی لباس پہنتا ہو، بیت المال کو اپنے لیے حرام جانتا ہو اور جس کا لباس پیوندوں سے بھرا ہو یہاں تک کہ پیوند لگا نے والا بھی شرمندگی محسوس کرنے لگے ؟ (۴۳)

وہ اپنی اسی طرح کی روش کے ذریعہ زاہدوں کے اعلیٰ شعار کو روشن کرتے تھے کہ " خدا کی قسم میں نے تمہاری دنیا سے سونا چاندی اکھٹا نہیں کیا اور نہ ہی اس کے اموال میں سے کسی چیز کا ذخیرہ کیا ۔میں نے اپنے پرانے کپڑے کے بدلے کوئی چیز نہ لی اور اس دنیا میں سے بالشت بھر زمین کے علاوہ کوئی جگہ نہیں گھیری اس دنیا سے کوئی معمولی سا سامان بھی لینا گوارہ نہ کیا یقیناً دنیا میری نظر میں بلوط کے تلخ پودے سے بھی زیادہ گئی گزری ہے ۔ (۴۴)

امام کا صدقہ

قبل اس کے کہ ہم امام علیہ السلام کےاحسان و نیکیوں کا تذکرہ کریں ان قرآنی آیات کا ذکر کرنا چاہیں گے جنھوں نے عطر بیز فضاؤں میں امام علی علیہ السلام کی نیکیوں کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی تعریف و تمجید کی ہے اور جن میں خدا وند عالم کی طرف سے عطا کی جانے والی ایسی نعمتوں اور اچھی جزاؤں کا وعدہ کیا گیاہے کہ جس

کی حد خدا کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا ۔
ایک واقعے کے سلسلے میں آیت نازل ہوئی جس میں حضرت علی علیہ السلام اور ان کے خاندان نے مسکین یتیم اور اسیر کو تین روز تک کھانا کھلایا تھا ۔ یہ آیت ایک عظیم حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے جب تک دنیا باقی رہے گی زبانوں میں قوت گویائی رہے گی اور قرآن کے اوراق پلٹے جاتے رہیں گے تب تک اس کی یادیں تازہ رہیں گی ۔

" و یطعمون الطعام علی حبه مسکیناً و یتیماً و اسیراً انما نطعمکم لوجه اللّٰہ لا نرید منکم جزاءً ولا شکوراً " (انسان / ۸ ـ ۹)

یہاں پر اہم بات یہ نہیں ہے کہ امام علیہ السلام نے فقراء کو کیا دیا کیونکہ ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جو اس سے کئی گنا زیادہ دیتے ہیں ، لیکن خدا کے لئے پورے اخلاص کے ساتھ انفاق کرنے اور ریا کاری اور دکھاوے کے لئے دولت لٹانے میں بہت فرق ہے ۔ اسی طرح اس انفاق میں جو اپنی تمام جمع پونجی کے ذریعہ کیا جائے اور جو اپنی دولت کے ایک حصہ کو بانٹ کیا جائے بہت بڑا فرق ہے اسی لئے ان کے درمیان خدا کے نزدیک اہمیت و قیمت کے لحاظ سے اچھا خاصہ تفاوت پایا جاتا ہے حالت نماز میں حضرت علی علیہ السلام کا انگشتری زکات میں دینا جس کے سلسلے میں قرآن نے اس بخشش کی فضیلت بیان کی اور اس طرح سے خداوند عالم نے امت اسلامی میں حضرت علی علیہ السلام کی فکری مرکزیت اور ان کے محور ہونے کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا ۔

" انما ولیکم اللّٰہ و رسوله و الذین آمنوا الذین یقیمون الصلاة و یوتون الزکاة و هم راکعون " (مائدہ / ۵۵)

دوسری تمام آیات سے زیادہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خدا وند عالم کے نزدیک عمل صلح کی حیثیت نیت اور جذبے کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ کہ اس کی مقدار اور حجم کے اعتبار سے۔

اہمیت اس بات کی نہیں کہ آپ بہت زیادہ دیں اہم یہ ہے کہ آپ کس نیت کے تحت دے رہے ہیں خدا کے نزدیک کسی بھی عمل کی قدر و قیمت نیت پر منحصر ہوتی ہے لہذا عمل کی انجام دہی کے وقت قصد قربت جتنا زیادہ ہوگا اس کی جزاء اتنی ہی اچھی اور زیادہ ہوگی۔

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: امام علی علیہ السلام پھاوڑا چلاتے تھے اور زمین کو قابل کاشت بناتے تھے اور اپنی محنت سے آپ نے ہزار غلاموں کو آزاد کیا (۴۵)

ایوب بن عطیہ حذا کہتے ہیں: میں نے امام صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا: رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم کیا تو حضرت علی علیہ السلام کے حصہ میں زمین آئی آپ نے اس زمین میں ایک چشمہ کھودا اور گردن تک اس میں سے پانی نکالا اور اس کا "ینبع" نام رکھا لوگوں نے علی علیہ السلام کو اس کے لیے مبارک باد پیش کی تو آپؑ نے فرمایا: اس کے اصلی وارث کو بشارت دو میں نے اسے خدا کی راہ میں حج کرنے والوں کے نام وقف کر دیا یہ کبھی بیچی نہیں جا سکتی اور نہ ہی کسی کو ہبہ کی جا سکتی ہے اور نہ تو یہ وراثت میں کسی کو حاصل ہوگی۔ بخدا جو بھی اسے بیچے گا یا کسی کو ہبہ کرے گا اس پر خدا اس کے فرشتے اور لوگوں کی لعنت ہو اور خدا اس کے انفاق اور نیک عمال کو کبھی قبول نہ کرے۔

احمد ابن حنبل نے اپنی کتاب فضائل میں لکھا ہے کہ علی علیہ السلام کی زراعت

کا محصول چالیس ہزار دینار تھا جسے آپ نے غریبوں کے لیے صدقہ قرار دے دیا تھا (۴۷)

امام علی علیہ السلام کے انفاق سے متعلق گفتگو ہمیں آپؑ کے اس عظیم جذبۂ انفاق اور دلسوزی کی یاد دلادیتی ہے جو آپ کا خاصہ تھا۔

گو کہ آپ کی بے حساب بخشش اور صدقے آپ کی عظیم سخاوت کی بولتی تصویریں ہیں لیکن آپؑ کی سخاوت کے عطر بیز واقعات آپؑ کی شخصیت کے ایک اور پہلو کو اجاگر کر دیتے ہیں۔

آپ اپنی امت پر بارشوں سے بھی زیادہ مہربان تھے۔ یہاں پر ہمارا مقصد اسلام کی راہ اور رسالت کے تحفظ میں آپ کی جانفشانیاں نہیں ہیں اس کے لیے تو الگ سے ایک کتاب کی ضرورت ہے بلکہ یہاں ہمارا مقصد آپؑ کی سخاوت اور آپ کا انفاق ہے۔

آپؑ کے جود اور سخاوت کا تو معاویہ جیسے بدترین دشمنوں نے بھی اعتراف کیا ہے۔ حالانکہ اس کی ہمیشہ سے یہی کوشش رہی کہ وہ تزویر اور جھوٹی باتوں سے امام علی علیہ السلام کی شخصیت کو مجروح کرے لیکن اس کے باوجود آپ کے جود و سخاوت سے وہ انکار نہ کرسکا۔ محقن بن ضبی نامی ایک شخص نے ایک دن معاویہ سے کہا، میں ایک نہایت کنجوس شخص کے پاس سے آرہا ہوں۔ معاویہ نے کہا: وائے ہو تجھ پر تو یہ کیسے کہہ رہا ہے کہ وہ بہت کنجوس ہیں، جب کہ اگر ان کے پاس ایک سونے سے اور ایک بھوسے سے بھرا ہوا گھر ہو تو وہ سونے سے بھرے گھر کو بھوسے سے بھرے گھر سے پہلے انفاق کردیں گے۔ (۴۸)

شعبی امام کی توصیف میں کہتا ہے: وہ سب سے زیادہ سخی انسان تھے۔

متوالوں کے مقابل وقتی جیت حاصل ہو گئی تھی تو وہ علیؑ ہی کی واحد ذات تھی جو " عبد الدار " کے بیٹوں کفار مکہ کے سربراہوں کے پے در پے حملوں کے سامنے ڈٹی ہوئی تھی ، آپؑ ہی نے ان کی منظم صفوں کو درہم برہم کیا اور اسی طرح جنگ احزاب میں جب لوگوں کی جانیں گلوں میں اٹک گئی تھیں اور مسلمان نہایت خطرناک صورت حال سے دوچار ہو گئے تھے تب بھی امام علیؑ ہی ان کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اور ان سے مقابلے کا بیڑا اٹھاکر دشمنوں کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا اور عمر بن عبدود کو قتل کر کے مسلمانوں کے دلوں میں پھر سے اطمینان پیدا کیا ۔

عمر بن عبدود کا قتل ہی وہ اہم تاریخی موڑ تھا جس کے بعد مشرکوں کو لگاتار مختلف شکستوں سے دوچار ہونا پڑا وہ علیؑ ہی تھے جو قلعہ خیبر پر ٹوٹ پڑے ، بے دھڑک اس پر دھاوا بول دیا یہاں پر بھی آپ کے عقدہ کشا ہاتھوں سے یہودیوں کا فولادی قلعہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔

تاریخ نے آپؑ کے درخشاں جہاد اور شجاعت کی بے نظیر داستانوں کو اپنے دامن میں سنبھال کر رکھا ہے جو آپؑ کی عظمت اور اخلاص کو واضح کرتی ہیں ۔

صدر اسلام کی تاریخ اور رسول خداؐ کے زمانے کا مشاہدہ کریں اور رسالت و امت محمدیؐ نیز اس کی درخشاں تاریخ کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی خدمات پر غور کریں ۔

اس کے ساتھ ہی حضرت علیؑ کی ذات کے عبادی پہلوؤں کو صرف بہادریوں کی ان عظیم داستانوں اور ان معرکوں میں تلاش نہیں کرنا چاہیے جن میں آپؑ بے دھڑک تلوار چلاتے تھے بلکہ اس عظیم جذبے کو صدق نیت اور اخلاص و ایمان

کے دامن میں ڈھونڈنا چاہیے، اس جوہر اخلاص کے دامن میں اسے تلاش کرنا چاہیے جس سے علی علیہ السلام کی ذات مالا مال تھی انھیں معنوی سرمایہ کی وجہ سے ہی آپؑ اس قدر شجاعت اور ثابت قدمی سے سر اٹھائے میدان جنگ میں وارد ہوتے تھے۔

اسی لئے قران کریم نے امیر المومنینؑ کے اس جذبے کو سراہا ہے جو جہاد کی راہ میں کلمہ اللہ کی سربلندی کے لئے کار فرما ہوتا تھا۔

یہ قرآن مجید ہے جو حضرت علیؑ کی اس وقت تعریف و تمجید کر رہا ہے جب آپؑ نے رسول خداؐ کی جان کی حفاظت کے لئے اپنا سینہ سپر بنا دیا تھا۔

" ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللہ۔ "(بقرہ / ۲۰۷)

(اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے نفس کو اللہ کی مرضی کے لئے بیچ دیتے ہیں۔) اس طرح سے قرآن امام علیؑ کے خلوص نیت کو واضح کرتا ہے۔ (۵۰)

جی ہاں قرآن مجید یہ اعلان کر رہا ہے کہ حضرت علیؑ کی جنگیں جہاد اور تمام فداکاریاں صرف اور صرف لوگوں کے درمیان کلمہ الہی کو بلند کرنے کے لئے تھیں اور اس جذبے اور اس عمل کا آخرت کے لئے انجام دیئے جانے والے دوسرے تمام اعمال صالحہ سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا، خداوند عالم کی طرف سے مقربین کے لئے جزائیں اور امام کا خالص اعتقاد ہی وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے قرآن کریم علیؑ علیہ السلام کی معنوی اور مادی حیات کے عظیم نقوش کو ثبت کرتا نظر آتا ہے۔

" اجعلتم سقایة الحاج و عمارة المسجد الحرام کمن آمن باللہ والیوم الآخر و جاهد فی سبیل اللہ لا یستوٗون عند اللہ واللہ لا یهدی القوم الظالمین۔" (توبہ / ۱۹)

(کیا تم نے حاجیوں کو سیراب کرنے والے اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے والے کو ، اللہ اور روز قیامت پر ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے جیسا بنا دیا ہے یہ خدا کے نزدیک یکساں نہیں ہیں اور اللہ ظالم افراد کی ہدایت نہیں کرتا ۔)

اس آیت کی شان نزول کے متعلق نقل ہوا ہے :

طلحہ بن شیبہ اور عباس بن عبد المطلب ایک دوسرے پر فخر و مباہات کر رہے تھے ۔ طلحہ کا کہنا تھا : خانۂ کعبہ پر میں دوسروں زیادہ حق رکھتا ہوں کیونکہ کعبہ کی کنجی میرے ہاتھ میں ہے ۔ اسی طرح عباس کا کہنا تھا : اس کے لئے میں تجھ سے زیادہ حق رکھتا ہوں کیونکہ میں پانی پلانے کا ذمہ دار ہوں اور یہ میری ہی ذمہ داری ہے کہ حاجیوں کو ہر سال پانی پلاؤں ۔ اسی وقت ان کے پاس سے امام علیؑ کا گزر ہوا تو آپ نے فرمایا : میں نے سب سے پہلے نماز پڑھی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا ۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی ، **اجعلتم سقاية الحاج** ... اور حضرت علیؑ کی عظمت بیان کرتے ہوئے آپؑ کے اخلاص عمل اور ان کی وسعت کی تائید کر دی ۔ (۵۱)

معاشرتی اخلاق

۱۔ لوگوں کے درمیان عام عدالت کا رواج

۲۔ امام کی تواضع

۳۔ امام کا حلم

۴۔ ظلم سے پرہیز

۵۔ آپ کے صبر کے چند نمونے

ایک محقق کے لئے ضرار بن ضمرہ کی توصیف کی روشنی میں امام علیؑ کی ذات کے وسیع معنوی پہلوؤں کو درک کرنا کسی قدر آسان ہو جائے گا۔

اس پر آشوب دور میں جب لوگوں نے مجبوراً معاویہ کو خلیفہ قبول کر لیا تھا، ضرار معاویہ کے پاس پہنچے۔

معاویہ نے ان سے علیؑ کی توصیف کرنے کا اصرار کیا ضرار کو معاویہ سے خوف کی وجہ سے اس کی پیش کش قبول کرنے میں تردد تھا، لیکن معاویہ کا اصرار بڑھتا گیا جس کی وجہ سے مجبور ہوکر ضرار نے کہنا شروع کیا:

"اگر تم مجھے علیؑ کی توصیف کرنے پر مجبور ہی کر رہے ہو تو سنو! خدا کی قسم! وہ بلند ہمت و طاقتور تھے، حق کہتے اور انصاف سے فیصلہ کرتے تھے، ان کی ذات سے علم و دانش کے چشمے پھوٹے پڑتے تھے اور حکمت ان کے پورے وجود سے جاری ہوتی تھی دنیا اور اس کی دلکشی سے انھیں وحشت تھی اور تاریک راتوں سے انس محسوس کرتے تھے۔

خدا کی قسم! ان کے آنسو ہمیشہ بہتے رہتے اور وہ ہمیشہ غور و فکر میں مشغول رہتے، ہاتھوں کو مل کر خود کو سرزنش کرتے، موٹے اور کھردرے لباس سے خوش ہوتے اور بد ذائقہ کھانے پر قانع و راضی رہتے۔

خدا کی قسم! وہ ہمارے ہی جیسے ایک آدمی تھے جب بھی ہم ان سے کوئی سوال کرتے تو وہ ہمیں جواب دیتے، ہم جب بھی ان کے حضور پہنچتے تھے وہ خود ہی بات شروع کرتے اور جب بھی ہم انھیں بلاتے وہ ہماری دعوت قبول کر لیتے تھے۔

خدا کی قسم! حالانکہ وہ ہم لوگوں سے کافی نزدیک تھے ہمارے اور ان کے درمیاں بالکل فاصلہ نہ تھا لیکن اس کے باوجود ان کے رعب و دبدبے کی وجہ سے ہم میں

ان سے بات کرنے کی جرات نہ ہوتی ، ان کی عظمت کی وجہ سے ہم کبھی بھی بات کرنے میں شروعات نہیں کرتے ، جب آپؑ مسکراتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے موتیوں کے ہار سے پردہ ہٹا دیا گیا ہو ۔

دینداروں کی عزت کرتے تھے بزرگوں کو چاہتے تھے طاقتوروں کو ان سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ ان کے لئے باطل اور غلط کام کریں گے تاکہ کمزور ان کے عدل سے مایوس ہوجائیں ۔

خدا گواہ ہے ، ایک شب میں نے دیکھا کہ آپؑ رات کی تاریکی میں کھڑے ہوئے ہیں ستارے تاریکیوں کی چلمن سے جھلملا رہے ہیں اور آپؑ عبادت میں مشغول ہیں ، ، اپنے محاسن کو ہاتھوں میں لے کر سانپ کے ڈسے ہوئے شخص کی طرح بل کھا رہے ہیں اور ستم زدہ لوگوں کی طرح رو رہے ہیں ہم نے سنا کہ آپؑ کہہ رہے تھے : اے دنیا کسی اور کو دھوکا دینا ۔ مجھے نہیں ! تو میرے راستے میں گھات لگائے بیٹھی ہے ؟ میرے لئے بن سنور رہی ہے ؟ **هیهات هیهات** ! میں نے تو تجھے تین طلاق دے دی ہے جس کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا ، کیونکہ تیری عمر کوتاہ اور زندگی حقیر و ناچیز ہے تیرے خطرات بہت زیادہ ہیں ... آہ زاد راہ کی کمی اور لمبا سفر اور اس کی وحشتیں ! (۵۳)

یہ ہے امام علیؑ کی توصیف جو مختصر ہونے کے باوجود نہایت عمیق انداز سے آپؑ کی شخصیت کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے جس میں آپؑ کا خدا سے تعلق ، اپنے آپؑ سے رابطہ اور لوگوں کے ساتھ کئے جانے والے سلوک کی ایک واضح شکل نظر آتی ہے ۔ ہم نے اس بحث کا آغاز آپؑ کی ان سماجی اخلاقی قدروں سے کیا ہے جس کی آپؑ روز مرہ کی زندگی میں نہایت سختی سے پابندی کرتے تھے ۔ اس

کے ساتھ ہی ضرار کی حدیث نے ہمیں ایک ایسا سراغ دے دیا جس کی بنا پر ہم آپؑ کی ذات کے ان اجتماعی و سماجی کردار کے پہلوؤں سے آشنا ہو سکتے ہیں جسے آپؑ لوگوں کے ساتھ رابطے کی صورت میں کارفرما رکھتے تھے۔ ضرار نے کہا: وہ ہمارے ہی جیسے تھے ہم جب بھی ان سے کوئی سوال کرتے تو وہ ہمیں اس کا جواب دیتے، ہم جب بھی ان کے پاس جاتے وہ خود ہی بات شروع کرتے، جب ہم انھیں دعوت دیتے تو وہ قبول کر لیتے، خدا کی قسم ہم ان کے نزدیک ہونے کے باوجود ہیبت احترام اور رعب کی وجہ سے ان سے بات نہیں کر پاتے تھے، وہ اہل دین کی عزت کرتے اور ناداروں اور مظلوموں پر رحم کرتے طاقتوروں کو آپؑ سے کسی غلط کام کی امید نہیں تھی اور کمزور آپؑ کے عدل و انصاف سے مایوس نہیں تھے۔

ایسا لگتا ہے کہ لوگوں سے اس نوعیت کے رابطے، امامؑ کی حکومت کے زمانے میں تھے جو آپؑ کی بے انتہا عظمت اور کمال کے لاتمناہی مدارج کا پتہ دیتے ہیں۔

حالانکہ امامؑ لوگوں کے رہبر تھے اور ان کے اجتماعی اور فکری امور کی تمام تر ذمہ داریاں آپؑ کے ہاتھوں میں تھیں لیکن پھر بھی ہم انھیں ایک ایسے عام آدمی کی شکل میں دیکھتے ہیں جو رہبری و قیادت کے تمام جھام سے یکسر عاری ہو اور مختلف طرح کے بڑے بڑے القاب و خطابات سے متنفر اس عظیم عہدے کے باوجود آپؑ اس طرح کا برتاؤ کرتے تھے گویا امت کے ایک معمولی فرد ہوں، آپؑ لوگوں کے ساتھ نہایت مہربانی محبت، خلوص اور انکساری کے ساتھ پیش آتے تھے۔

یہ ایک ایسا جذبہ ہے جو آغاز آفرینش سے لے کر اب تک تاریخ انسانیت میں رسول اکرمؐ اور ان کے وصی کے علاوہ کسی اور رہبر اور قائد میں نظر نہیں آتا۔

امامؑ نے اس سلسلے میں ان آزاد فکر لوگوں کے درمیان ایک رہبر کی حیثیت سے

بہت بڑی کامیابی حاصل کی جو کم از کم عالم اسلام میں ان کی رہبری اور قیادت کے کردار کو محسوس کرتے ہیں۔

آپؑ کی رہبری محبت و احترام پر استوار تھی، آپؑ اس امت سے نہایت مہر و شفقت سے پیش آتے، آپؑ کے تمام پیروکار اچھی طرح سے اس محبت، احترام اور شفقت کو محسوس کرتے تھے۔

آپؑ کی یہ مبارک روش اور سیرت ہمیں آنحضرتؐ کے زمانے کی ان خاص سیاسی روشوں اور ا امت کے ساتھ آپ کے اس مخصوص رابطے کی یاد دلاتی ہے، دونوں بزرگوں کی روش ایک ہی ہے چاہے وہ مختلف جہات اور مختلف تاریخی عہدوں میں واقع ہوئی ہو۔

خدا صعصعہ بن صوحان پر رحمت کرے جو امامؑ کی توصیف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

" وہ ہم لوگوں کے درمیان ایک عام فرد کی طرح رہتے تھے، درجہ مہربان اور متواضع ہونے کے باوجود رعب و دبدبے میں بے نظیر تھے۔ ہم ان کے سامنے اس قیدی کی طرح ہو جاتے تھے جس کے سر پر تلوار لٹک رہی ہو۔ (۵۴)

آپؑ کے سماجی اخلاقیات کا ہم مندرجہ ذیل عنوانوں کے تحت مطالعہ کر سکتے ہیں:

۱۔ لوگوں کے درمیان سماجی اخلاقی قدروں کو عام کرنا

نہایت حساس اور سنگین حالات میں خلافت امامؑ کے ہاتھوں میں آئی با اثر افراد تبعیض اور ترجیحی سلوک کے عادی ہو چکے تھے وہ قطعی کسی ایسی صورت حال کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھے جو اس طرح کے اصلاحی پہلوؤں پر مشتمل ہو کیونکہ اس طرح

ان کے ذاتی مفاد کو نقصان پہنچتا تھا۔

دوسری طرف بہت سے سر برآوردہ لوگوں نے خلافت کو دودھاری گائے سمجھ لیا تھا اور دونوں ہاتھوں سے اس سے فائدہ اٹھانے میں مشغول تھے، شریعت کی طرفداری اوراسلامی قوانین کی رعایت کی ذمہ داری کا ان کے نزدیک کوئی مفہوم نہیں تھا۔

امامؑ ان حالات سے بخوبی واقف اور ان کی باریکیوں سے مطلع تھے اسی لئے آپؑ خلافت قبول کرنے میں تامل کررہے تھے عثمان کے قتل کے بعد جب لوگ اکٹھا ہوکر آپؑ سے خلافت قبول کرنے کا اصرار کرنے لگے تو آپؑ نے ان سے کہا:

"مجھے چھوڑ دو کسی اور کو ڈھونڈو کیونکہ ہم ایسے امر کے روبرو ہیں جس کے مختلف چہرے اور گوناگوں رنگ ہیں اس سلسلے میں دل ایک جگہ نہیں ٹھہرتے اور عقلوں کو ثبات نہیں ہوتا کالے بادلوں نے وسیع آفاق کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور راہ گم ہو چکی ہے۔ (۵۴)

اس کے باوجود مدینہ منورہ اور عراق و مصر کے انقلابی خلافت قبول کرنے کے لئے اصرار کرتے رہے۔

امامؑ نے خاص شرائط اورحالات کے تحت ان کی خواہش کو قبول کیا لیکن اس کے ساتھ ہی آپؑ نے یہ قید لگا دی کہ: اگر میں نے تمہاری پیش کش کو قبول کر لیا تو تمہارے ساتھ اسی طرح برتاؤ کروں گا جس طرح میری نظر میں مصلحت ہوگی کسی کی بات یا سرزنش پر کوئی دھیان نہیں دوں گا۔ (۵۵)

امامؑ کا مقصد در اصل یہ تھا کہ سماج اور لوگوں کے درمیان عام عدالت کو رائج کریں اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کی تعمیر نو اور امت میں موجود مختلف نوعیت کے انحرافات کو درست کردیں، امامؑ نے اس اصلاحی روش کی ابتدا

مروجہ اقتصادی ، اجتماعی اور اداراتی روشوں کو ختم کر کے کی تاکہ اسلامی اور عدالتی منصوبوں کے لئے راہیں ہموار ہو جائیں :

الف ۔ اس مال و دولت کو واپس لینا جسے بنی امیہ نے بیت المال سے غصب کر لیا تھا ۔

ب : بہت سے ایسے عہدہ داروں کو برطرف کرنا جنھوں نے احکام خدا کو پیروں تلے روند ڈالا تھا اور ان تمام اقدار کو بے حیثیت قرار دیا تھا جنھیں خدا وند عالم نے بندوں کے لئے معین کیا تھا ۔

ج : اموال کی تقسیم میں مساوات اور غیر ترجیحی سلوک کو کار فرما کرنا ، حق کا رواج اور طبقاتی نظام کو ختم کر دینا ۔ اس سلسلے میں آپؑ نے فرمایا :

" **المال مال اللّٰہ ، یقسم بینکم بالسویۃ لا فضل فیہ لاحد علی احد۔**
یہ دولت خدا کی ہے جو تمہارے درمیان برابر سے بانٹی جائے گی اس سلسلے میں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں حاصل ہے ۔ (۵۴)

نیز آپؑ نے فرمایا : جان لو ! کل جن لوگوں نے گرفتار دنیا ہوکر ، زمین پر قبضہ کر لیا اس میں نہریں جاری کیں ، سواریاں استعمال کیں اور کنیزوں کو خدمت گزاری پر مامور کیا اور میں ان کی گزشتہ روش سے انھیں منع کروں اور معین کئے گئے حقوق کی پابندی کرنے پر مجبور کروں تو تم یہ نہ کہنا کہ ابو طالب کے بیٹے نے ہم سے ہمارے حقوق چھین لئے ۔ (۵۷)

امامؑ نے اپنے طرز حکومت کی بنیاد مندرجہ ذیل امور پر استوار کی ۔

۔ امت کے ساتھ معاملہ

۔ حقوق کا اجرا

۔ ذمہ داریوں کی تقسیم

حضرت علیؑ کی روش اور منصفانہ طرز حکومت پوری طرح سے رسول خداؐ کے اصولوں کے مطابق تھا۔

امت کے فرد فرد کے ساتھ امامؑ کی عادلانہ روش کے چند نمونے ہم یہاں پیش کر رہیں ہیں:

ایک دفعہ آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم اگر مجھے کانٹوں پر رات بسر کرنا پڑے، اور زنجیروں میں جکڑے رہنا پڑے تو بھی یہ صورت حال میرے لئے اس سے زیادہ اچھی ہے کہ میں خدا اور اس کے رسولؐ سے اس حالت میں ملوں کہ میں نے کسی پر ظلم کیا ہو اور کسی دنیوی شے کو غصب کر لیا ہو ... خدا کی قسم اگر مجھے ہفت اقلیم اور آسمان کے نیچے موجود تمام چیزیں اس بات کے لئے دی جائیں کہ میں چیونٹی کے منہ سے ظلم کرکے جو کا چھلکا چھین کر خدا کی معصیت کروں تو بھی میں ایسا نہیں کر سکتا یقینا تمہاری یہ دنیا میری نظروں میں ٹڈی کے منہ میں موجود پتے سے بھی کم حیثیت کی مالک ہے۔ علی کو فنا ہو جانے والی نعمت اور ختم ہو جانے والی لذت سے کیا سروکار؟ میں خدا کے حضور عقل کی غفلت اور لغزشوں سے پناہ مانگتا ہوں اور اسی سے مدد کا خواہاں ہوں۔ (۵۸)

"الذلیل عندی عزیز حتی آخذ الحق له ۔" (۵۹)

ذلیل میرے نزدیک اس وقت تک عزت دار ہے جب کہ میں اس کے لئے حق نہ لے لوں۔

" و ایم اللہ لانصفن المظلوم من ظالمه ولاقودن الظالم بخزامته حتی اوردہ منهل الحق و ان کان کراھاً ۔ (۶۰)

خدا کی قسم میں مظلوم کو ظالم سے ضرور انصاف دلاؤں گا اور ظالم کو کھینچ کر حق کے کے چشمے پر لے آؤں گا بھلے ہی وہ اسے نا پسند کرے۔

اس طرح کے تمام قوانین جن کے بارے میں امامؑ گفتگو کرتے تھے ایسے افکار تھے جسے آپؑ اصول و تفکرات کی دنیا میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے لیکن کسی کے سامنے بھی پیش کرنے سے پہلے ان پر عمل کرکے دکھاتے تھے۔

حضرت علیؑ کی یہ بھی ایک خصوصیت تھی کہ اپنی تمام باتوں کو اپنی پاکیزہ طبیعت سے ہماہنگ کر لیتے تھے۔

اس طرح سے آپؑ نے عالم اسلام کو عدل و انصاف سے بھر دیا تھا سماجی ، اقتصادی اور سیاسی تغیرات کے حامل ایسے انقلاب کو وجود بخش دیا تھا جو صد فی صد الٰہی عدل کی تقاضوں پر پورا اترتا تھا اس طرح سے آپؑ نے رسولؐ خدا کے زمانے میں موجود نورانیت و پاکیزگی کو دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔

امیر المومنین اتنا زیادہ پیوند دار لباس پہنتے تھے اور اتنا زیادہ پیوند لگاتے تھے کہ اس میں پیوند لگانے والا شرمندہ ہو جاتا تھا۔ (۶۱)

کبھی آپؑ بازار میں اپنی تلوار بیچنے کے لئے جاتے تاکہ ایک لباس کے بدلے کوئی اسے خرید لے۔ (۶۲) جبکہ آپؑ کو وہ مقام حاصل تھا جس میں آپؑ مرکزی طاقت کے حامل تھے اور دنیا کے گوشے گوشے سے اسلامی حکومت کے خزانے میں دولت کا انبار لگ چکا تھا اور بیت المال کی پوری دولت آپؑ کے قبضے میں تھی اس کے باوجود آپؑ جو کی روٹی کھاتے جس کے ساتھ اکثر یا تو دودھ یا پھر نمک ملا ہوا پانی ہوتا تھا۔ ایک پیرہن کے علاوہ آپؑ کے پاس کوئی دوسرا لباس بھی نہیں تھا جسے آپؑ دھوتے وقت بدل کر پہن لیں۔ (۶۳)

اپنے اس زہد و دنیا سے بے رغبتی کے باوجود آپؑ امت کے اقتصادی مسائل پر بھرپور توجہ دیتے لوگوں کے درمیان سونا چاندی تقسیم کرتے اور گوشت روٹی کھلاتے ، (۶۴) امت کے درمیان موجود فقر و فاقہ کو ختم کرنے کے لئے آپؑ سے جتنا ہو سکتا اتنی کوشش کرتے ۔ جیسے ہی کوئی رقم بیت المال میں آتی آپؑ اسے لوگوں کے درمیان بانٹ دیتے اور ہر شخص کو اس کا حق دے دیتے ، آپؑ کی اس سلسلے میں روش بہترین انصاف کے تقاضے کا مظہر تھی امامؑ کی یہ روش جب طلحہ و زبیر کو گراں گزری تو آپؑ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ، خدا کی قسم ! میں اور میرا یہ مزدور باہم کوئی فرق نہیں رکھتے ۔ " **فواللّٰہ ما انا و اجیری ھذا لا بمنزلۃ واحدۃ ۔** " (۶۵)

سہیل بن حنیف نے آپؑ سے عرض کیا : اے امیر المومنین ! میں نے اس غلام کو آزاد کیا ہے امامؑ نے اس غلام کو تین دینار عطا کیا اور اتنا ہی سہل بن حنیف کو بھی دیا ۔ (۶۶) جس وقت امامؑ کچھ رقم تقسیم کر رہے تھے آپؑ کے پاس عاصم بن میثم آئے اور کہنے لگے ، امیر المومنین ! میں بوڑھا ہو چکا ہوں میرا خرچ زیادہ ہے ! امامؑ نے ان سے کہا ، خدا کی قسم یہ میری کمائی یا میرے باپ کی میراث نہیں ہے بلکہ لوگوں کی امانت ہے ۔ (۶۷)

امامؑ کا ایک شیعہ عبد اللہ بن زمعہ آپؑ کے پاس آیا اور کچھ رقم مانگنے لگا تو آپؑ نے اس سے فرمایا : یہ میری یا تیری دولت نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی تلواروں سے حاصل کی گئی ہے اگر تو نے ان کے ساتھ جنگ میں شرکت کی ہے تو تیرا بھی اس میں حصہ ہوگا ورنہ ان کی کمائی کسی اور کے منہ میں پہنچنے پہ روا نہیں ہے ۔ (۶۸)

ایک دن جب امامؑ بیت المال میں کام کرنے میں مشغول تھے آپؑ کے پاس عمرو

بن حاص آیا امامؑ نے بیت المال کا چراغ بجھا دیا اور چاند کی روشنی میں اس کے ساتھ بیٹھ گئے (۷۹) کیونکہ چراغ مسلمانوں کا تھا جو ذاتی استعمال کے لئے مناسب نہیں تھا۔

در حقیقت حقوق کے معاملے میں امامؑ کی یہ سختی اور امت اور مسلمانوں کے لئے رات دن آپؑ کی محنت اور ہدایت کی کاوشیں صرف آپؑ ہی کی ذات سے مخصوص تھیں اس کے علاوہ امامؑ کی توجہ صرف اقتصادی امور پر ہی نہیں تھی بلکہ اس سے بڑھکر آپؑ امت کو انسانی کمالات اور کرامت سے آشنائی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتے تھے آپؑ کی یہی کوشش تھی کہ ایک آزاد اور شرافت مند زندگی کے جو تقاضے ہوتے ہیں انھیں پورا کریں اور لوگوں کو یہ سکھائیں کہ کس طرح ظلم و ستم اور جبر کے خلاف جنگ کی جاتی ہے اس کے متعلق آپؑ فرماتے ہیں:

" لا تکن عبد غیرک و قد جعلک اللّٰہ حراً ۔ "

کسی دوسرے کے غلام نہ بنو کہ خدا نے تمہیں آزاد بنایا ہے۔

نیز آپؑ فرماتے ہیں: یہ مناسب نہیں ہے کہ جو لوگوں کے مال، ناموس، خون اور آمدنی و احکامات پر حاکم اور مسلمانوں پر حکومت و رہبری کا حامل ہو وہ بخیل ہو کہ اس طرح وہ لوگوں کے اموال املاک پر لالچ کی نظر ڈالے گا۔ اور نہ ہی اسے جاہل ہونا چاہیے کہ اس طرح وہ اپنی نادانی کی وجہ سے لوگوں کو گمراہ کر دے گا اسی طرح اسے ستمگر بھی نہیں ہونا چاہیے کہ وہ انھیں ہلاک کر دے گا۔ نہ اسے لوگوں کی ملکیت کا لالچ رکھنا چاہیے کہ اس طرح وہ کچھ لوگوں کو اپنے سے قریب اور کچھ لوگوں کو دور کر دے گا۔ نہ اسے رشوت خور ہونا چاہیے کہ اس طرح وہ فیصلے کے وقت باطل فیصلہ کرے گا اور لالچ کے سامنے جھک جائے گا۔ اور نہ ہی احکام کی تعطیل کرنے والا ہونا

چاہیے کہ اس طرح امت ہلاک ہو جائے گی۔ (۷۰)

اس کے بعد آپؑ فرماتے ہیں، جس طرح ظالم تاناشاہوں سے بات کی جاتی ہے اس طرح مجھ سے بات نہ کرو اور جس طرح سے غصہ والے شخص کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے میرے ساتھ ویسا سلوک نہ کرو مجھ سے میل جول سے پرہیز نہ کرو، کوئی شخص یہ ہرگز تصور نہ کرے کے سچی بات مجھے گراں محسوس ہوگی جبکہ اس کو خود حق بات کڑوی لگتی ہو اور عدل و انصاف پر عمل مشکل محسوس ہوتا ہو کہ اس طرح ان دونوں پر عمل کرنا اس کے لئے اور سخت ہو جائے گا لہذا عدل کے معاملے میں حق بات کے متعلق مشورہ کرنے سے پرہیز نہ کرنا۔ (۷۱)

حضرت علیؑ کے دور حکومت میں عدل و انصاف کے دامن کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ بازار، ترازو اور خرید فروخت تک اس میں سمائے ہوئے تھے وہ ہر روز مسلمانوں کے بازار میں جاکر نزدیک سے خرید و فروخت کا معائنہ کرتے، غلطیوں پر ٹوکتے اور نصیحت کیا کرتے تھے۔ حق کے معاملے میں اگر کوئی کوتاہی کرتا تھا تو اسے امر بالمعروف کرتے اور اس کی غلطی پر اسے ٹوک دیتے تھے۔ (۷۲)

انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے اور لوگوں کے معاملات میں حق پسندی کا یہ عالم تھا کہ جب آپؑ نے اپنی زرہ ایک عیسائی کے ہاتھ میں دیکھی تو اس کا فیصلہ کرانے کے لئے اپنا مقدمہ لے کر قاضی کے پاس پہنچ گئے۔

امامؑ نے فرمایا:

یہ میری زرہ ہے، نہ میں نے اسے بیچا ہے اور نہ ہی ہبہ کیا ہے۔ قاضی نے عیسائی کی طرف رخ کر کے اس سے سوال کیا:

اس بارے میں تو کیا کہتا ہے؟

اس نے جواب دیا: یہ زرہ میری ہے جبکہ امیر المومنین جھوٹ بھی نہیں بول رہے ہیں۔۔

قاضی نے امامؑ کی طرف رخ کر کے کہا:

آپؑ گواہ لے آئیں جو اس بات کی گواہی دیں کہ یہ زرہ آپ کی ہے۔

امامؑ نے مسکراتے ہوئے کہا:

میرے پاس کوئی گواہ نہیں۔

قاضی نے اس عیسائی کے حق میں فیصلہ کردیا، وہ زرہ لے کر چل پڑا امامؑ اسے صرف دیکھتے رہے آپؑ نے اس سے کچھ بھی نہیں کہا تھوڑی ہی دیر بعد وہ عیسائی لوٹ آیا اس نے آپؑ سے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ پیغمبروں کا طریقہ ہے کہ امیر المومنین میرے ساتھ قاضی کے پاس آئیں تاکہ وہ فیصلہ کرے، اے علی! خدا کی قسم زرہ آپ ہی کی ہے اور میں اپنے دعوے میں جھوٹا تھا۔ (۴۳)

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عیسائی شخص مسلمان ہو گیا اور پوری نیک نیتی کے ساتھ امامؑ کے پرچم کے نیچے آگیا تاکہ ایمان و جہاد سے اسلامی رسالت کا دفاع کرے۔

آپؑ اسی طرح اسلامی عدالت کو حیات نو بخشنے میں کوشاں تھے تاکہ انسانیت ظلم اور دباؤ کے اندھیروں سے نکل جائے۔ اسی طرح آپؑ اس بات کا بھی خاص خیال رکھتے تھے کہ آپؑ کی طرف سے منصوب والی، قاضی، کمانڈر اور ٹیکس وصول کرنے والے عدالت اور انصاف کی رعایت کریں اور فیصلے، حکومت، اداری امور نیز ٹیکس کی وصولی میں صرف حق کا خیال رکھیں۔

عہدہ داروں کو امامؑ کی نصیحت

یہاں ہم امامؑ کی طرف سے منصوب بعض عہدداروں کو آپؑ کی طرف سے کی جانے والی بعض نصیحتوں کا ذکر کر رہے ہیں۔

عبد اللہ بن عباس کو آپؑ نے ایک خط میں لکھا۔ لوگوں کے ساتھ حکمت اور بشاش بشاش چہرے کے ساتھ ملو اور غصے سے پرہیز کرو کہ یہ موقع شیطان کے لئے بہت کارآمد ہوتا ہے اور یہ جان لو کہ جو چیز تمھیں خدا کے نزدیک کرتی ہے وہ جہنم سے تمھیں دور کر دیتی ہے اور جو چیز خدا سے دور کرے گی وہ تمھیں آتش جہنم سے نزدیک کر دے گی۔ (۴۳)

آپؑ نے مالک اشتر کو ایک خط میں لکھا۔

خدا وند عالم، اپنے اور خاندان والوں کے معاملے میں انصاف سے کام لینا کیونکہ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تم ظلم کروگے اور جو بھی خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے خدا اپنے بندوں کے ساتھ اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔ (۴۵)

ٹیکس وصول کرنے والوں کو امامؑ کی تاکید

خدائے لا شریک کے تقوے کے ساتھ جانا، کسی مسلمان کو دھمکی نہ دینا، بغیر اس کی مرضی کے اس کے گھر میں داخل نہ ہونا، خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف سے معین کردہ حق کے علاوہ اس سے زیادہ کا مطالبہ نہ کرنا، تم جب بھی کسی قبیلہ کے پاس جانا تو ان کے چشمے کے پاس سواری سے اتر جانا سیدھے ان کے گھروں تک نہ پہنچ جانا، بلکہ اطمینان سے ان کے درمیان کھڑے ہوکر سلام کرنا اور عزت و احترام

کے ساتھ کہنا : اے بندگان خدا ! خدا کے ولی اور اس کے خلیفہ نے مجھے تمہارے پاس تمہاری دولت میں خدا کے حق کو لینے کے لئے بھیجا ہے کیا تمہاری دولت میں خدا کا کوئی حق ہے جسے تم اس کے نمائندہ کو دے سکو ؟ (۷۶)

آپؑ کا دوسرا دستور العمل کچھ اس طرح تھا :

ایسا نہ ہو کہ تم کسی مسلمان ، یہودی یا نصرانی کو ٹیکس کی وجہ سے مارنے لگو یا ٹیکس وصول کرنے کے لئے اس کی سواری کو بیچ ڈالو کیونکہ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم ان کے بچی ہوئی دولت میں سے ٹیکس وصول کریں ۔ (۷۷)

سپاہیوں کو آپؑ کی تاکید

جنگ کے وقت آپؑ اپنے سپاہیوں کو تاکید کیا کرتے تھے کہ دشمنوں کے ساتھ جنگ کی شروعات نہ کرنا ، یہاں تک کہ وہ خود جنگ کا آغاز نہ کر دیں ، میدان جنگ سے بھاگ جانے والوں کا پیچھا نہ کرنا ، اور جنگ میں زخمی ہو جانے والے یا دفاع سے معذور ہو جانے والے کو قتل نہ کرنا عورتوں کو پریشان مت کرنا بھلے ہی وہ لعنت کریں اور بددعائیں دیں ۔ (۷۸)

اسی طرح اور دوسری بہت سی نصیحتیں موجود ہیں جو وقتاً فوقتاً امامؑ گورنروں ، اور سپاہیوں کو کیا کرتے تھے ۔

کیا پوری دنیا میں آپؑ نے اس طرح کے عدل و انصاف کا مشاہدہ کیا ہے ؟

کیا تاریخ انسانیت کسی ایسے شخص سے آشنا ہے جو اپنے دشمنوں کے لئے بھی بھلائی چاہتا ہو ؟ جبکہ وہ اپنی دشمنی کا کھلم کھلا اظہار کر رہے ہوں ؟

جی ہاں صرف علیؑ کی ذات ہے جس نے وسیع قلب کے ساتھ تمام انسانوں کو محبت

و شفقت کے سایے میں لے لیا اور ان کی زندگی میں عدل و انصاف کو رواج بخشتے ہوئے انسانیت کی اعلی قدروں سے انھیں روشناس کرایا۔

۳ــ امامؑ کی تواضع

تواضع اسلامی شریعت میں ایک عبادت کی حیثیت رکھتا ہے اور اسلامی معاشرہ میں اسے ایک خاص مقام حاصل ہے۔ معاشرہ کی یکپارچگی و اتحاد عطا کرنے اور اختلاف اور طبقاتی تفریق کو ختم کرکے آپس میں ملاپ کا ایک بہترین وسیلہ تواضع ہے۔

امام علیؑ رسول اکرمؐ کے تواضع کا ایک بہترین نمونہ تھے۔ آپؑ کی مبارک سیرت اس بہترین عادت کی بہت سے مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں: امیر المومنین لکڑیاں جمع کرتے، پانی نکالتے اور جھاڑو لگاتے تھے۔ اور فاطمہ (س) چکی چلاتیں، آٹا گوندھ کر روٹیاں پکاتی تھیں۔ (۷۹)

اسی طرح امامؑ گھریلو اشیاء کو خود ہی بازار سے خرید کر خود ہی اٹھا کر لاتے تھے۔ حالانکہ آپؑ مسلمانوں کے حاکم اور خلافت کے عظیم عہدے کے مالک تھے، لوگ جب آپؑ کو کوئی چیز اٹھائے ہوئے دیکھتے تھے تو آپؑ کے پاس آکر اصرار کرتے کہ آپؑ یہ چیزیں انھیں اٹھانے کے لئے دے دیں لیکن آپؑ انکار کر دیتے اور فرماتے تھے: گھر والا اسے اٹھانے کے لئے زیادہ شائستہ ہے۔ (۸۰)

حضرت علیؑ اکیلے ہی بازار جاتے بغیر کسی سپاہی یا خادم کے... گمشدہ لوگوں کی خود ہی رہنمائی کرتے، کمزوروں کی مدد کرتے، اور تاجروں اور دوکانداروں کو حسن معاملہ کا حکم دیتے ہوئے یہ آیت پڑھتے:

" تلک الدار الآخرۃ نجعلها للذین لا یریدون علواً فی الارض ولا

فساداً و العاقبة للمتقین ۔" (۸۱)
(وہ آخرت کی منزل ہے جسے ہم ان لوگوں کے لئے قرار دیتے ہیں جو زمین پر برتری اور فساد نہیں چاہتے اور عاقبت تو متقیوں کے لئے ہے ۔)

آپؑ کے تواضع کا ایک بہترین نمونہ یہ واقعہ ہے ۔ ایک دن آپؑ سواری سے اپنے چند اصحاب کے پاس سے گزرے وہ لوگ آپؑ کے ساتھ ہو گئے تو آپؑ نے ان کی طرف رخ کرکے فرمایا ۔

" کوئی ضرورت ہے ؟ ان لوگوں نے کہا ۔ نہیں اے امیر المومنین امرا کے ساتھ چلنا ہماری عادت ہے ۔

آپ نے فرمایا ۔ خدا کی قسم اس سے تمہاری امرا کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا ، بلکہ اس کے ذریعے تم بد بختی کا شکار ہوتے ہو اور آخرت میں بھی اسی وجہ سے بد بخت ہوگے ، اور وہ زحمت کتنی بری ہے جس کے بعد عذاب کا مزہ بھی چکھنا پڑے ، وہ مشقت کتنی اچھی ہے جس کی وجہ سے جہنم کی آگ سے نجات حاصل ہو جائے ۔ (۸۲)

اس کے علاوہ بھی آپ کے تواضع کی بہت سی مثالیں ہیں جیسے یہ کہ آپ ہمیشہ جو کی روٹی اور دودھ یا نمک کا پانی سالن کے طور پر استعمال کرتے ، نہایت معمولی لباس پہنتے ، پھٹے کپڑوں پر خود ہی پیوند لگاتے ، معمولی گھر میں رہتے اور موقع پڑنے پر ایک شخص کے ساتھ قاضی کے سامنے کھڑے رہتے تھے ۔ (۸۳)

اپنے خاندان اور وقوم کی عورتوں کو سلام کرنا آپ کی عادت تھی ۔ (۸۴) کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپؑ عورتوں کے ساتھ ساتھ ان کی شکایات سننے کے لئے چلتے تھے اور ان کی مشکلات کو حل کر دیتے بھلے ہی اس سلسلے میں آپؑ کو خاصی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے ۔ امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ۔

ایک دفعہ امام علی جب اپنے گھر لوٹے تو آپ نے دروازے پر ایک عورت کو دیکھا جو کہہ رہی تھی، میرا شوہر مجھ پر ظلم کرتا ہے۔ مجھے ڈراتا دھمکاتا ہے اور میرے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔

امام علی علیہ السلام نے فرمایا: اے خدا کی کنیز دن ڈھلنے تک ٹھہر جا، ان شاء اللہ میں تیرے ساتھ چلوں گا۔

اس عورت نے کہا: اس سے تو وہ میرے اوپر اور بھی زیادہ ناراض ہو جائے گا۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے اپنا سر مبارک ہلاتے ہوئے فرمایا: نہیں خدا کی قسم میں بغیر کسی تردد کے مظلوم کا حق دلاؤں گا، تیرا گھر کہاں؟ امامؑ اس عورت کے دروازے پر پہنچے اور فرمایا: سلام علیکم۔ گھر کے اندر سے ایک جوان نکل کر باہر آیا تو امامؑ نے اس سے فرمایا: اے خدا کے بندے! خدا سے ڈر! تونے اسے ڈرا دھمکا کر باہر نکال دیا! جوان نے کہا:

آپ سے کیا مطلب؟

امام نے فرمایا: میں تجھے اچھائی کا حکم دیتا ہوں اور برائی سے روک رہا ہوں، کیا تو برائی کے ساتھ میرا سامنا کرے گا اور اچھائی سے نفرت کا اظہار کرے گا؟ اسی وقت وہاں سے کچھ لوگوں کا گزر ہوا، انھوں نے حضرت علی کو دیکھتے ہی کہا: امیر المومنین سلام علیکم! یہ منظر دیکھتے ہی وہ جوان آپ کے قدموں میں گر پڑا، وہ کہہ رہا تھا، اے امیر المومنین مجھے معاف کر دیں خدا کی قسم میں ان کے پیروں کی دھول بن کر رہوں گا۔ امام علیہ السلام نے اس عورت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے کنیز خدا اپنے گھر میں جا اور اب ایسا کوئی موقع نہ آنے دینا جس کی وجہ سے تیرا شوہر اس طرح کی حرکتوں پر مجبور ہو جائے۔ (۸۵)

معمولی سے معمولی شخص کے لئے بھی امامؑ تک پہنچنا نہایت آسان تھا۔ آپؑ مختلف حکومتی خطابات اور القاب سے خود کو پوشیدہ نہیں رکھتے تھے بلکہ لوگوں کے ساتھ ایک عام آدمی کی طرح سلوک کرتے، کمزوروں کے مسائل کا احساس کرتے اور مظلوموں سے محبت کرتے، فقراء سے ساتھ مہربانی سے پیش آتے اور پرہیزگاروں کی عزت کرتے تھے۔

آپؑ اپنے ساتھیوں سے ہمیشہ خندہ پیشانی اورنرم مسکراہٹ کے ساتھ پیش آتے اس زمانے میں رائج عوام اور حکام کے درمیان مختلف رسموں اور تکلفات کے حجاب کو آپؑ نے بالکل ہی ختم کر دیا تھا۔

آپؑ نے بجے دھجے گھروں اور ایسے القاب سے پرہیز کیا جو حاکموں کو اپنی اوقات بھلا دیتے ہیں اور لوگوں سے دور کر دیتے ہیں۔

جس کی بنا پر دشمنوں کی یہی کوشش تھی کہ آپؑ کے یہ مشہور صفات لوگوں میں اس حیثیت سے مشہور نہ ہونے پائیں بلکہ ان تمام اسلامی صفات کی کچھ اس طرح سے توجیہ کی جائے کہ وہ آپؑ کے لئے فضیلت نہ شمار ہوں۔

عمرو بن عاص لوگوں سے حضرت علیؑ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے: وہ بہت شوخ طبیعت ہیں۔ (۸۶) وہ اپنی اس بات سے یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ علیؑ کی ذات حاکم کے لئے لازم وقار سے خالی ہے اس طرح وہ آپؑ کے فضائل پر پردہ ڈالنا چاہ رہا تھا تاکہ علیؑ کی شخصیت کی معرفت سے لوگ دور ہی رہیں۔

یہ بات حضرت علیؑ تک پہنچی تو آپؑ نے فرمایا:

"تعجب ہے! ابن نابغہ (یعنی عمرو عاص) پر جو مجھے شوخ طبع کہہ کر لوگوں کو گمراہیوں میں ڈھکیل رہا ہے۔ (۸۷)

معاویہ بن ابی سفیان نے بھی ایک دوسری جگہ عمرو عاص کی اس بات کو دہراتے ہوئے آپؑ کو شوخ کہا ہے، لیکن اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے معاویہ اور عمرو عاص کی تنقیدیں آپؑ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں کیونکہ آپؑ سراپا رسولؐ اکرم کے اخلاق کا بہترین نمونہ تھے۔

آپؑ لوگوں کے درمیان رہتے ان پر نظر رکھتے بازاروں میں جاتے اور بیچنے والوں کی کڑی نگرانی کرتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی غیر شرعی طریقے سے کوئی چیز فروخت کی جانے لگے۔

اسی طرح آپؑ ہمیشہ اپنے گورنروں، فوجیوں، مختلف عہدہ داروں اور ٹیکس وصول کرنے والوں کو لوگوں کے ساتھ نرمی، تواضع اور احترام سے پیش آنے کی تاکید کیا کرتے تھے۔

امام علیؑ کا تواضع ایسا ہی تھا جیسا کہ ضرار بن ضمرہ نے معاویہ سے گفتگو کرتے ہوئے اس طرف اشارہ کیا ہے: "وہ کھردرے لباس سے مانوس تھے اور بدمزہ کھانے سے خوش رہتے، ... خدا کی قسم وہ ہمارے ہی جیسے تھے، میں سوال کرتا تھا وہ جواب دیتے اور جب بھی ہم ان کی خدمت میں جاتے تو وہ خود ہی ہم سے بات شروع کرتے ہم جب بھی انھیں دعوت دیتے وہ قبول کرتے، دین داروں کی عزت کرتے اور مظلوموں سے محبت کرتے تھے۔ (۸۸)

۳۔ امامؑ کا حلم اور بردباری

امامؑ حلم و بردباری میں بے مثال تھے ۔ آپؑ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی نہایت حلم و صبر کے ساتھ پیش آتے تھے جو آپؑ سے بے ادبی کرتے تھے ۔ آپؑ غصے اور کینے سے بہت دور تھے ۔ آپؑ کا غصہ صرف وقت دکھائی دیتا تھا جب حق کی بات ہوتی یا حدود الٰہی کو پامال کیا جاتا اور امت پر ظلم و جور کیا جاتا ۔

حلم و عفو سے آپؑ ہمیشہ ہی متصف رہتے تھے خلافت سے پہلے اور خلافت کے بعد بھی آپؑ کی یہی روش رہی ۔ امامؑ کی عظمت اس وقت اور واضح ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپؑ اپنے سخت ترین دشمنوں اور مخالفوں کے سامنے بھی عفو و درگزشت کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔ خلافت کے زمانے میں آپؑ کے ہاتھوں میں اتنی قدرت تو ہی کہ اگر آپؑ چاہتے تو اپنے تمام دشمنوں سے گن گن کر بدلہ لے لیتے لیکن اس کے باوجود آپؑ نے رسول خداؐ کی طرح عفو و درگزشت سے کام لیا ۔

امامؑ کی عفو کے چند نمونے

جنگ جمل میں مالک اشتر نے مروان حکم کو گرفتار کیا اور اسے لے کر امامؑ کی خدمت میں آئے مروان آپؑ کے سامنے آیا لیکن آپؑ نے اس کے سامنے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا البتہ آپؑ نے غداری اور سازشی کارروائیوں کی بنا پر اس کی سرزنش کی ،(۸۹) اور اسے آزاد کر دیا ۔ حالانکہ مروان کے دل میں اس وقت بھی امامؑ اور اسلام کے خلاف کینے کی آگ بھڑک رہی تھی اور اس واقعے کے بعد بھی وہ اسلام اور امامؑ کے خلاف مختلف سازشوں میں مشغول رہا ۔ آپؑ کے خلاف فتنے کی

آگ بھڑکانے میں مروان کا مکروہ کردار کسی سے پوشیدہ نہیں ہے یہی وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے امامؑ کی بیعت کی مخالفت کی اور مدینہ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اسی نے بصرہ کے فتنے میں سرگرم کردار ادا کیا اور " ناکثین " کی تحریک بھی اسی کی فتنہ انگیزی تھی۔ اس کے علاوہ بھی دوسرے بہت سے جرائم ہیں جو اس کی ذات سے منسوب ہیں۔ امامؑ کی عفو و درگزشت کا دوسرا نمونہ عبد اللہ بن زبیر کے ساتھ آپؑ کا سلوک ہے۔ (۹۰) اسے جنگ جمل میں گرفتار کر لیا گیا تھا اسی نے فتنہ جمل کی آگ بھڑکائی اور جنگ جمل کی عملی قیادت اور فوج کی کمان اسی کے ہاتھ میں تھی۔

جنگ جمل میں خاصہ اہم کردار ادا کرنے والے، طلحہ بن عبیداللہ کو امامؑ کے پاس لایا گیا تو امامؑ نے اسے آزاد کر دیا اسے کسی طرح کی کوئی سزا نہیں دی صرف اس سے آپؑ نے خدا کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے فرمایا:

" جا جہاں تیرا دل چاہے چلا جا اور اگر ہمارے لشکر میں سے کوئی گھوڑا یا تلوار مل جائے تو اسے بھی اپنے ساتھ لے لینا اور خدا سے ڈر اور اپنی آئندہ زندگی گھر ہی میں بیٹھ کر گزار دینا۔ " (۹۱)

امامؑ کی عفو کا ایک دوسرا نمونہ امام باقرؑ سے کی جانے والی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ شام کی جنگوں میں جب بھی کوئی گرفتار ہوتا تھا تو آپؑ اس کا ہتھیار اور سواری لے لیتے تھے، اس کے بعد اسے قسم دلاتے کہ اب آئندہ وہ کبھی امامؑ کے خلاف جنگ میں شرکت نہیں کرے گا۔ (۹۲)

کیا اس طرح کی انسانی قدریں کسی اور کی ذات میں دیکھی گئیں ہیں؟

امامؑ کو معلوم تھا کہ ان کے خلاف لڑنے والے شامی اکثر ایسے لوگ ہیں جو حالات سے بے خبر ہوتے ہیں معاویہ نے انھیں دولت سے مسحور کر کے حقیقت و حق کے

خیموں میں لوٹ آنا اور پانی کو آزاد چھوڑ دینا ، حالانکہ انھوں نے ظلم و ستم کو اپنی روش قرار دے رکھا تھا ۔ (۹۴)

حالانکہ امامؑ چاہتے تو دشمن کی فوج پر پانی بند کرکے انھیں بدترین شکست سے دوچار کر دیتے لیکن خدائی اخلاق اور الٰہی روش جس سے امامؑ آراستہ تھے اس طرح کے تمام اعمال سے آپؑ کو روک دیتی تھی تاکہ اس طرح سے امامؑ کی ذات میں جلوہ فگن ہدایت اور صراط مستقیم کے پرتو اور معاویہ کی ذات میں غیر اخلاقی اعمال اور انحراف کی پرچھائیوں کے درمیان باہمی فرق واضح ہو جائے ۔

یہاں ہم امامؑ کی عفو کے دوسرے چند نمونوں کا ذکر کر رہے ہیں :

امامؑ نے ایک دن اپنے غلام کو کئی دفعہ بلایا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا ، جب غلام باہر آیا تو آپؑ نے اس سے پوچھا ، تو نے میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا ؟ اس نے کہا : کاہلی سوار تھی اس لئے میں نے جواب نہیں دیا ۔ اس کے علاوہ مجھے آپؑ کی طرف سے کسی طرح کی سزا کا بھی خوف نہیں تھا ۔

امامؑ نے یہ سن کر فرمایا : اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے ان لوگوں میں سے قرار دیا ہے جن سے لوگ اپنے آپ کو امان میں سمجھتے ہیں جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کر دیا ۔ (۹۵)

ایک خارجی نے امامؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا : خدا اسے مار ڈالے یہ کتنا عالم و دانا ہے !

یہ اہانت دیکھ کر امامؑ کے اصحاب کھڑے ہوگئے تاکہ اس شخص کو فوراً قتل کر دیں ۔ لیکن امامؑ نے فرمایا : رک جاؤ گالی کا جواب گالی ہے یا معاف کر دینا ؟ ! (۹۶)

اس طرح سے امامؑ نے اس خارجی کو معاف کر دیا اور اسے کسی طرح کی سزا نہیں

دیا۔

اسی طرح کے بہت سے نمونے امامؑ کی زندگی میں موجود ہیں جو اس الٰہی خلق وخو اور آپؑ کی بزرگواری کی حکایت کرتے ہیں جس کے قالب میں امامؑ کی شخصیت ڈھلی تھی۔

ہم اگر امامؑ کی عفو و درگزشت کے تمام نمونوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے صرف آپؑ کی اپنے قاتل ابن ملجم مرادی کو معاف کر دینے کی روش کا ملاحظہ کریں تو بھی یہ اس بات کے لئے بہترین ثبوت ہوگا کہ آپؑ اخلاق کی ان بلندیوں پر فائز تھے جہاں پیغمبر خداؐ اور مقربین بارگاہ الٰہی کے علاوہ اور کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

کیا تاریخ کسی ایسے شخص کی نشاندہی کرتی ہے جس نے اپنے دشمنوں کو بھی فراخ دلی سے معاف کر دیا ہو؟ اور اپنے گھر والوں کو تاکید کرتا نظر آئے کہ قاتل کو کھانا پانی دیا جائے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے؟

امام باقرؑ نے زندگی آخری لحات میں کی جانے والی امام علیؑ کی ایک وصیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

علیؑ ابن ابی طالب نے حسنؑ و حسینؑ کو حکم دیا، اس قیدی سے پوچھ تاچھ کرو اور اسے کھانا پانی دے دو، اگر میں زندہ بچ گیا تو پھر اس کے ساتھ کئے جانے والے سلوک کا تعین میں بہتر طور پر کروں گا اگر میں چاہوں گا تو اسے سزا دوں اور اگر میرا دل چاہے گا تو اس سے کسی طرح کی مصالحت کرلوں گا۔ لیکن اگر میری زندگی ختم ہو گئی تو پھر تمھیں اختیار ہوگا لہذا اگر تمہارا دل چاہے گا تو اسے قتل کر دینا، لیکن قتل کی صورت میں اس کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا۔(۹۷)

۴ـ ظلم سے پرہیز

ظلم و ستم سے پرہیز امامؑ کی شخصیت اور اخلاق کا ایک رکن ہے ،وہ مظہر تقوی تھے ،ظلم سے پرہیز کرتے یہاں تک کہ اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی --- یہاں تک کہ اگر کوئی خود ان پر بھی ظلم کرتا تو آپؑ کی کوشش یہی رہتی کہ حتی الامکان اپنی خاص روش سے دور نہ ہوں ۔

اس لحاظ سے یہ کہنا چاہیے ؛ امامؑ صلح و صفائی کے ایک عظیم نقیب تھے حالانکہ بعض لوگ آپؑ کے اصلاحی اقدام کے راستوں میں فتنہ انگیزی اور رکاوٹیں پیدا کر رہے تھے لیکن آپؑ اپنی تمام کوششوں کو اسی مقصد کے لئے صرف کر رہے تھے تاکہ جس طرح بھی ممکن ہو امت مسلمہ خونریزی اور اختلاف سے دور رہے ۔ آپؑ نے مسلسل خطوط اور نمائندے بھیج کر طلحہ و زبیر کو اپنے ان کے اس قدم سے باز رکھنے کی کوشش کی ۔(۹۸) یہاں تک کہ جب دونوں فوجیں بصرہ میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئیں تب بھی امامؑ نے زبیر کو بلایا اور اس سے ملاقات مقرر کی ایک طویل معانقہ کیا اور شاید آپؑ نے اسی حالت میں گریہ بھی کیا اس کے ساتھ ہی آپؑ نے جنگ کی آگ بھڑکانے پر زبیر کی سرزنش کی اور پرانے تعلقات کا حوالہ دیتے ہوئے آنحضرتؐ کی اس بات کو یاد دلایا جو آپؐ نے زبیر سے حضرت علیؑ کے متعلق فرمائی تھی اس کے بعد آپؑ نے فرمایا؛ اے زبیر میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ رسول خداؐ نے تجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا ۔ اے زبیر کیا تم علیؑ کو چاہتے ہو؟ تو نے جواب میں کہا تھا ،میں کیوں علیؑ کو نہیں چاہوں گا جبکہ وہ میرے ماموں کے لڑکے ہیں ؟!

اس کے بعد آنحضرتؐ نے تجھ سے کہا ؛ لیکن تو علیؑ پر حملہ کرے گا ،جبکہ تو ظالم

ہوگا۔ زبیر نے جواب میں کہا: ہاں خدا کی قسم ایسا ہی ہوا تھا۔ (۹۹)

اور جب "ناکثین" نے آتش جنگ بھڑکا دی جب بھی امامؑ اپنے موقف یعنی ظلم و مخاصمت سے پرہیز پر ڈٹے رہے۔ آپؑ نے اپنے فوجیوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! میں تمھیں خدا کی قسم دیتا ہوں بھاگنے والوں کو قتل نہ کرنا، زخمیوں کو مت مارنا، کسی کو گرفتار نہ کرنا ہتھیار یا اموال مت لوٹنا۔ (۱۰۰)

جنگ ختم ہو جانے کے بعد بھی امامؑ نے اپنی روش کو برقرار رکھا لہذا یہاں بھی آپؑ نے ہر طرح کے ظلم و ستم سے پرہیز کیا جس کے نتیجے میں آپؑ نے جنگ میں شرکت کرنے والے تمام عام سپاہیوں اور کمانڈروں کی عام معافی کا اعلان کر دیا تھا۔

جنگ صفین میں بھی آپؑ کی یہ مبارک روش ہر جگہ کارفرما نظر آتی ہے دشمن نے پانی کے راستے کو بند کردیا لیکن امامؑ نے عسکری قوت کے باوجود قوت کے استعمال کو مناسب نہیں سمجھا بلکہ اس سلسلے میں آپؑ نے مختلف وفود بھیجے اور ہر ممکن کوشش کی کہ شاید وہ اس طرح سے انھیں کسی ایسی صورت حال پر متفق کر سکیں جس کا نتیجہ خونریزی سے ہٹ کر ہو لیکن امویوں کی سرکشی کا یہ عالم تھا: اس وقت تک تمھیں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا جب کہ تم مر نہ جاؤ۔ (۱۰۱) اس طرح کے جواب کی وجہ سے امامؑ مجبور ہوگئے کہ محاصرہ کو عسکری قوت کی مدد سے توڑا جائے آپؑ نے ایسا ہی کیا اور پانی کو دشمنوں کے قبضے سے آزاد کرنے کے بعد دشمن کے سپاہیوں کو پانی لینے کی کھلی چھوٹ دے دی۔

جنگ نہروان میں بھی امامؑ نے لڑائی روکنے کی پوری کوشش کر ڈالی لیکن جنگ کے لئے دشمنوں کی ہٹ دھرمی راہ مستقیم اختیار کرنے میں رکاوٹ بنی اور آخر کار فتنے کی آتش بھڑک اٹھی جس کے نتیجے میں ہزاروں لوگ خاک و خون میں غلطاں ہو

گئے اور بہت سے شہر فتنوں کی نذر ہو گئے جس کی وجہ سے امامؑ ان سے جنگ کرنے پر مجبور ہوگئے ۔ البتہ جنگ کا فیصلہ کرنے سے پہلے بھی کئی دفعہ آپ نے ان کے سامنے صلح و صفائی سے مسئلے کو حل کرنے کی پیش کش کی تھی۔

اپنے مختلف عہدیداروں اور ٹیکس وصول کرنے والوں کو امامؑ کی تاکیدیں بھی اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ آپؑ ظلم و سرکشی سے کس قدر پرہیز کرتے اور عدل و انصاف کے تقاضوں کا خیال رکھتے تھے گزشتہ بحثوں میں خاص طور سے اس طرح اشارہ کیا جا چکا ہے۔

امامؑ کی عظیم روح کا پرتو اس خط سے بھی محسوس کیا جا سکتا ہے جو آپ نے مالک اشتر کو لکھا تھا۔ آپؑ نے ان کے پاس ایک خط میں لکھا ، لوگوں کا خیال رکھنا ، اور ہر طرح کے ظلم و ستم و سرکشی اور حقوق ضائع کرنے سے پرہیز کرنا ۔ اس خط میں اس طرح آیا ہے ، رعایا سے مہر و محبت کو اپنا شعار بنانا ، ان کے ساتھ شفقت و محبت سے برتاؤ کرنا ، ان کے لئے ایسے درندہ کی طرح نہ ہونا جو انھیں تڑپ کرنے کو اپنے لئے لمحہ مغتنم سمجھتا ہو کیونکہ وہ دو نوعیتوں سے خالی نہیں ، یا تمہارے دینی بھائی ہوں گے یا پھر انسانیت میں تمہاری طرح ہوں گے ... لہذا عفو و درگزشت سے اسی طرح ان کے ساتھ برتاؤ کرنا جیسا کہ تم چاہتے ہو کہ خدا تمھیں اپنی عفو و درگزشت سے سرفراز کرے۔

خداوند متعال ، لوگوں اور اپنے قریبی اعزاء اور رعایا کے محبوب لوگوں کے ساتھ انصاف کرنا ، کیونکہ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو گویا ظلم کیا ۔ اور جو بھی خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو خدا اس کا دشمن ہوکر اپنے بندوں کے ساتھ ہو جاتا ہے ، اور جس کا دشمن خدا ہو جاتا ہے وہ اس کی دلیل و حجت کو باطل کر دیتا ہے اور وہ خدا سے

اس وقت تک جنگ کی حالت میں رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنے اس عمل سے دور نہ ہو جائے اور توبہ نہ کر لے۔ (۱۰۲)

حضرت علیؑ کی یہ روش صرف مصر کے رہنے والوں سے ہی مخصوص نہیں تھی بلکہ یہ آپؑ کی ایسی روش تھی جو آپؑ کی حکومت کے تمام شہروں میں جگہ جگہ عملی طور سے مشاہدہ کی جاتی تھی۔

امامؑ اپنے تمام گورنروں اور مختلف شہروں میں موجود نمائندوں کو مالک اشتر ہی کی طرح خط لکھ کر مختلف نصیحتیں اور دستور العمل بتاتے رہتے تھے آپؑ کی ہمیشہ یہ تاکید رہتی تھی کہ لوگوں کا خاص خیال رکھا جائے اور کسی بھی عالم میں ان پر ظلم نہ کیا جائے۔

ہم نے گزشتہ بحثوں میں مختلف گورنروں کو کی جانے والی امام کی نصیحتوں کا ذکر کیا ہے جو یقیناً قارئین کی نظروں سے گزری ہوں گی۔

۵ _ امام کے صبر کے چند نمونے

زندگی میں پیش آنے والی مختلف مشکلات کا مضبوط قوت ارادی کے ساتھ مقابلہ، عظیم روح اور ارادے کی بے پناہ قوت حضرت علیؑ کی شخصیت کے اہم ارکان ہیں اگر انھیں ہم حضرت علیؑ کی مخصوص روش کی بنیادیں کہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ خدا سے حدردجہ وابستگی، حددرجہ عبادت، ظلم وستم سے پرہیز، اور زہد و درگزر یہ تمام چیزیں اس بات کی گواہی دیتی نظر آتی ہیں کہ امامؑ صبر کے ہتھیار سے لیس ہیں اور شکست و پسپائی سے واقف ہی نہیں ہیں۔ گویا صبر و بردباری انسانی شکل اختیار کرکے حضرت علیؑ کی صورت میں مجسم ہوگئی ہوں۔

حالانکہ امامؑ کے ساتھ پیش آنے والے وہ حوادث جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں آپؑ کی بےپناہ صبر کی قوت کی گواہی کے لئے کافی ہیں لیکن اس کے باوجود ہم یہاں پر چند ایسے حوادث کا ذکر کریں گے جو امامؑ کی زندگی میں پیش آئے۔

جب قریش کے " دار الندوۃ " میں رسول اکرمؐ کے قتل کی سازش تیار کی گئی اس سازش میں عرب قبائل کے بہت سے افراد شریک تھے، خدا وند عالم نے جبرئیل کے توسط سے آنحضرتؐ کو ان کی اس سازش سے مطلع کر دیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

" و اذ یمکربک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک و یمکرون و یمکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔ "

(انفال / ۳۰)

اور جب کافر تمھیں گرفتار کرنے یا قتل کرنے یا باہر نکال
دینے کا منصوبہ بنا رہے تھے وہ بھی مکر کے جال بچھا رہے
تھے اور اللہ بھی مکر کر رہا تھا اور اللہ تو تمام شازشوں کی
کاٹ کرنے والوں سے بہتر ہے۔

خداوند عالم نے آنحضرتؐ کو دار الھجرۃ یعنی " یثرب " کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ آپؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سلایا اور انھیں اپنی چادر اوڑھا دی۔ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کے بستر پر پوری رات بسر کی۔ کفار کے مکر و فریب نے آپؐ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اس کے باوجود اس بات کا احتمال تو بہرحال موجود تھا کہ وہ لوگ تلوار لے کر آپؐ پر حملہ آور ہو جائیں، مدتوں سے دل میں جلنے والی کینے کی آگ ٹھنڈی کر لیں، اور اس مقصد کے لئے آنحضرتؐ کی زندگی کا خاتمہ کرنے کی کوشش کریں۔ یہ بات حضرت علیؑ کو اچھی طرح سے معلوم تھی لیکن خدا کی ذات پر مستحکم ایمان، قضا و قدر الٰہی پر مکمل اطمینان اور فولادی ارادے نے آپؐ کو قوت بخش دی تھی جس کی وجہ سے آپؐ کے سکون کا یہ عالم تھا کہ آپؐ نے دشمن کی اس خطرناک سازش کو ایک مذاق سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ آخرکار صبح ہوتے ہی کافروں نے رسول اکرمؐ کے گھر پر حملہ کر دیا لیکن جب بستر پر رسول اکرمؐ کے بجائے حضرت علیؑ نظر آئے آپؐ نے ان لوگوں سے سوال کیا:

تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟

انھوں نے جواب دیا: محمدؐ کہاں ہیں؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: کیا تم نے انھیں میرے ذمہ کر رکھا تھا؟ کیا تم یہ نہیں کہتے

تھے کہ ہم انھیں اپنی سرزمین سے باہر نکال دیں گے؟ وہ تمہارے پاس سے چلے گئے ہیں !!

اس طرح سے حضرت علیؑ نے ان سازشیوں کا مذاق اڑایا اور ان سے نہایت صبرو سکون اور مضبوط لہجے میں بات کی۔

ایسے موقع پر جب کہ بڑے بڑے بہادروں کے چھکے پانی ہو جاتے ہیں علیؑ آنحضرتؐ کی ہجرت کے بعد مکہ میں ہی ٹھہرے رہے تاکہ رسول خداؐ کے بعض فرمانوں کا اجراء کر سکیں۔

مکہ سے مسلمانوں کی ہجرت کے بعد وہ امامؑ ہی تھے جنھوں نے لوگوں کی نظروں کے سامنے مہاجروں نیز عورتوں یعنی فاطمہ زہرا (س) فاطمہ بنت اسد اور دوسری عورتوں کے ساتھ ہجرت کی کچھ مشرکوں نے آپؑ کے قافلہ کو روکنا چاہا لیکن امامؑ کی قوت صبرو تحمل اور مضبوط ارادے نے ان کی طرف سے کھڑی کی جانے والی اونچی اونچی رکاوٹوں کو پار کر لیا اس قافلہ کو روکنے کے لئے آٹھ افراد پر مشتمل گروہ کو نا قابل اعتنا جانا، آپؑ تلوار سنبھال کر ان کے سامنے ڈٹ گئے اور اس گروہ کے سرغنہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جس کے نتیجے میں دوسرے اپنے سردار کو خاک و خون میں غلطاں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ (۱۰۳)

مدینہ میں بھی امامؑ کو نہایت خطرناک ذمہ داریاں سنبھالنا پڑیں، آپؑ سپاہ محمدؐ کے ہراول دستے کے کمانڈر اور عظیم اسلامی فوج کے سردار تھے، آپؑ نے میدان جنگ میں مضبوط ارادے اور آہنی عزم کے وہ جوہر دکھائے کہ قیامت تک بشریت اس پر فخر کرتی رہے گی اور اسلام اپنی تاریخ پر فخر کرتا رہے گا۔ رسولؐ خدا کی تمام دفاعی اور تہاجمی جنگوں میں جو آپؐ کے الٰہی پیام کی اشاعت کے لئے نہایت لازم تھیں

اور جن کی بدولت حیات انسانی اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہوئی، حضرت علیؑ کی ذات ایک محور کی حیثیت رکھتی تھی۔ آپؑ بے دھڑک جنگ میں کود پڑتے اور خدا کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی قطعی پرواہ نہیں کرتے۔ تاکہ اس طرح آپؑ شرک اور مشرکوں کی سرکشیوں کو لگام دیں اور رسالت کے دشمنوں کو جہنم کے شعلوں میں ڈھکیل دیں جب بھی کوئی جنگ چھڑتی تو اس فتنے کو خاموش کرنے کے لئے حضرت علیؑ ہی کو یاد کیا جاتا۔ آپؑ آتے اور پرچم جاہلیت کو سرنگوں کر دیتے، جنگ بدر، احد، احزاب، حنین، خیبر اور اس طرح کی بہت سی جنگیں اس بات کی گواہ ہیں۔

بہت سے ایسے مواقع آتے تھے جب سپاہ اسلام پر وحشت و خوف کے سایے منڈلانے لگتے اور وہ پسپا ہونے لگتے اس وقت حضرت علیؑ ہی کی تلوار تھی جو لوگوں کے دلوں میں اطمینان و سکون لوٹا دیتی اور اپنی بہادری سے اسلامی سپاہیوں میں پھر سے مقابلے کی امنگ پیدا کر دیتے اور ہر طرح کی کمزوری اور ناتوانی پر غالب آ جاتے ... ارادے کی یہ قوت، ایمان اور حتمی فیصلہ، اور ناپسندیدہ چیزوں کے مقابلہ صبر کا مظاہرہ دراصل خداوند متعال کی عظیم ذات پر کامل ایمان اور توکل کا نتیجہ تھا۔

امامؑ نے نہایت دشوار اور حساس حالات میں خلافت کا عہدہ سنبھالا حالانکہ اس سے پہلے آپؑ خلافت قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے لیکن آخرکار مسلمانوں کے مسلسل اصرار سے مجبور ہوکر آپؑ نے ان کی پیش کش قبول کر لی لیکن بعد میں کچھ بیعت کرنے والوں نے پیمان شکنی کی اور عدل و انصاف کو پیروں تلے روند دیا، کچھ لوگ دین سے خارج ہوگئے (ناکثین، قاسطین، مارقین) یہ تمام سازشیں صرف اس مقصد کے لئے کی جا رہی تھیں کہ کسی طرح سے امامؑ کو آنحضرتؐ کی روش دوبارہ

رائج کرنے سے باز رکھ سکیں۔

مصلحت کوشوں اور گمراہی کے پیروکاروں کی لگائی ہوئی فتنے کی آگ کو بجھانے کے لئے آپؑ کو بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان تمام مشکلات کا آپؑ نے بڑے صبر و تحمل سے مقابلہ کیا اور اپنی شہادت تک اس طرح کی تمام دشواریوں کے سامنے ڈٹے رہے۔

ان تمام باتوں کے علاوہ بھی اگر ہم امامؑ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر نظر دوڑائیں تو جا بجا ہمیں آپؑ کے فولادی ارادے کی مضبوطی کا احساس ہوگا، جب آپؑ کو سچے ساتھیوں کا فراق تڑپا رہا تھا، آنحضرتؐ کی رحلت آپؑ کے زانوؤں پر ہو چکی تھی۔ (۱۰۴) جب آپؑ نے آنحضرتؐ کی تدفین کی اور ان کے فراق میں لحہ لحہ تڑپتے رہے۔ آنحضرتؐ کے جسم مطہر کو غسل دیتے وقت آپؑ نے چند کلمات کہے تھے جن کو سننے کے بعد جگر میں آگ لگ جاتی ہے آپؑ کہتے تھے: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اے رسول خدا! آپؑ کی وفات سے نبوت و آسمانی خبروں کا سلسلہ ٹوٹ گیا، آپؐ ہمارے لئے سب کچھ تھے، تمام لوگ آپ کے بابرکت وجود سے بہرہ مند ہوتے تھے، اگر آپ نے ہمیں بے تابی سے منع نہ کیا ہوتا اور صبر کی تلقین نہ کی ہوتی تو ہم آپ کی جدائی میں آنسوؤں کے سوتوں کو خشک کر ڈالتے، اور آپ کا غم، آپ کی جدائی کا درد کبھی ختم نہ ہوتا، اشک و نالے آپ کی جدائی کے سامنے ہیچ ہیں مگر کیا کیا جا سکتا ہے اس مصیبت کا ٹالنا ممکن ہی نہیں میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں خدا کے حضور ہمیں بھی یاد رکھیئے گا، اور اپنی عنایتوں کا رخ ہم سے نہ موڑیئے گا۔ (۱۰۵)

جب بھی ہم حضرت علیؑ کی آنحضرتؐ کی ذات سے شدید محبت و تعلق کا احساس

کرتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی جدائی کا حضرت علیؑ پر کتنا شدید اثر تھا کیونکہ حضرت علیؑ تو بچپن سے ہی آنحضرتؐ کے سایے میں پلے بڑھے تھے، اور اس آپ کی پوری زندگی آنحضرتؐ کے ساتھ ہی گزری تھی۔

اس طرح کی بھائی چارگی در اصل شدید محبت اور لگاؤ، وفاداری اور نہایت خلوص کا نتیجہ تھی لیکن ان سب کے باوجود امامؑ کا شیوہ خدا کی رضا تھا لہذا قضا و قدر الہی کے سامنے صبر کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

اسی زمانے میں جب حضرت علیؑ تلخ ترین حوادث سے نبرد آزما تھے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی وفات کی عظیم مصیبت حضرت علیؑ کے دل و دماغ پر بجلی بن کر گری، اسلام کی یہ عظیم خاتون آنحضرتؐ کی وفات کے چند ہی دنوں بعد ظالموں کے ظلم کی وجہ سے بیمار ہو گئیں اور آخرکار اسی بیماری کی وجہ سے اپنے پدر بزرگوار سے ملحق ہو گئیں، وفادار شریک حیات کی ناگہانی جدائی نے حضرت علیؑ کو غم و اندوہ کے سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ جناب فاطمہ زہرا (س) حضرت علیؑ کے پاس آنحضرتؐ کی امانت تھیں اور ان کی ذات سے اس امت کے رہبر تربیت پاتے تھے جناب فاطمہ (س) نہایت صابرہ خاتون تھیں حضرت علیؑ کے اوپر پڑنے والے تمام مصائب میں آپ پوری طرح شریک رہی تھیں۔

امامؑ دیکھ رہے تھے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جناب فاطمہ (س) مختلف طرح کی مصیبتوں اور غموں کی تلخیاں برداشت کر رہی ہیں جس کے نتیجے میں آخرکار آپ بیمار ہوکر بستر پر پڑ گئیں، آپ کے چہرے کا رنگ اڑ چکا تھا اور روز بروز بیماری کے اثرات سے آپ کمزور ہوتی جا رہی تھیں اور پھر ایک دن سفر آخرت کے لئے توشہ راہ باندھ لیا، امامؑ نے انھیں اپنے ہاتھوں سے غسل و کفن دیا اور اپنے ہاتھوں

سے انہیں سپرد خاک کر دیا اس کے بعد اپنی عزیز شریک حیات کی قبر کے پاس بیٹھ گئے اور شریک زندگی سے الوداع ہوتے وقت نہایت درد انگیز کلمات کہے، سلام ہو آپ پر اے پیغمبر خدا! میری طرف سے اور آپ کے پاس جانے والی آپ کی پارۂ جگر کی طرف سے جو بڑی جلدی آپ سے ملحق ہو گئی، رسول اللہ! آپ کی برگزیدہ بیٹی کی جدائی کے مقابلے میرا صبر بہت کم اور قوت برداشت کمزور ہو گیا ہے لیکن میرے لئے آپ کی جدائی کا غم اس غم کو برداشت کر لینے کا حوصلہ عطا کرتا ہے اور مجھے کچھ تسلی ہوتی ہے میں نے ہی آپؐ کو سپرد لحد کیا تھا اور میرے سینے پر ہی آپؐ کی روح مبارک پرواز کر گئی تھی: انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ آپ نے اپنی امانت واپس لے لی!! میرا غم اب لا متناہی ہوگا اور میری راتیں آنکھوں میں کٹیں گی یہاں تک کہ خدا مجھے اس جگہ کے لئے منتخب کر لے جہاں آپ مقیم ہیں۔ آپ کی بیٹی آپ کو بتائے گی کہ کس طرح آپ کی امت نے اس کے حق پر ظلم کرنے لئے ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ دے رکھا تھا اس سے پوچھ لیجیے گا، اس کی حالت دریافت کر لیجیے گا ان کے ساتھ گزاری ہوئی مدت بہت کم تھی لیکن آپ کی یاد بھلائی نہ گئی۔ آپ دونوں پر رخصت ہونے والے کے سلام ہوں۔ جو نہ غصے میں ہے اور نہ بار مصیبت کے تحمل سے دل برداشتہ، اب اگر میں یہاں سے چلا جاؤں تو یہ ملامت کی وجہ سے نہیں ہوگا اور اگر یہیں رکا رہوں تو یہ صابروں کے لئے خدا کی طرف سے کئے گئے وعدوں کے سلسلے میں بدگمانی کی وجہ سے بھی نہ ہوگا۔ (۱۰۳)

امامؑ ہر حال میں قضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کئے رہے مصائب کے مقابل صبر کے ساتھ ڈٹے رہے جس طرح آپؑ نے آنحضرتؐ اور فاطمہ زہرا (س) کی جدائی پر صبر کر لیا اسی طرح آپؑ نے اپنے بہت سے مخلص اصحاب اور بھائیوں کی

شہادت پر بھی صبر کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ آپؑ نے اپنے ان اصحاب کی جدائی بھی برداشت کر لی جنھوں نے آپؑ کی اطاعت میں دوسری تمام چیزوں سے رابطہ منقطع کر لیا تھا جو الٰہی رسالت اور پیام کے لئے اپنے پاس موجود تمام چیزوں کو اللہ کی راہ میں نچھاور کرتے ہوئے باطل شکنی کے تمام مراحل میں آپؑ کے دوش بدوش ہر محاذ پر ڈٹے رہے تھے اور ایک ایک کر کے سب جہاد میں کام آ گئے۔ جیسے عمار یاسرؓ ، مالک بن تیہان ، ذی الشھادتین خزیمہ بن ثابت انصاری ، مالک اشتر اور محمد بن ابی بکر وغیرہ۔

امامؑ اپنی شہادت کے چند روز پہلے ایک خطبے میں انھیں یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

--- این اخوانی الذین رکبوا الطریق و مضوا علی الحق ؟ این عمار ؟ و این ابن التیھان ؟ و این ذو الشھادتین ؟ واین نظرؤاھم من اخوانھم الذین تعاقدوت علی المنیة و ابرد برؤوسھم الی الفجرة ۰

میرے وہ بھائی کہاں ہیں جو راہ لگ گئے اور حق پر گزر گئے ؟ عمار کہاں ہیں ؟ ابن تیہان کہاں گئے ؟ دو شہادتوں والے کہاں ہیں ؟ اور ان کے جیسے دوسرے افراد کہاں چلے گئے جنھوں نے موت کو گلے لگا لیا اور جن کے سروں سے فاجروں کو راحت مل گئی۔

اس کے بعد آپؑ نے روتے ہوئے فرمایا:

اود علی اخوانی تلوا القرآن فاحکموہ ، و تدبروا الفرض فاقاموہ احیوا السنة ، و اماتوا البدعة ، دعوا الجھاد فاجابوا و وثقوا بالقازد فاتبعوہ ... (۱۰۵)

میں اپنے ان بھائیوں کے لئے غمزدہ ہوں جنھوں نے قرآن کی تلاوت کی اور اسے استحکام بخشا فرائض پر غور کیا اور انھیں قائم کیا، سنتوں کو زندہ کیا بدعتوں کو مار ڈالا، جب جہاد کے لئے بلائے گئے تو فوراً لبیک کہی انھوں نے قائد پر بھروسہ کیا اور اس کی پیروی کی۔ (۱۰۷)

۸۔ اسی طرح امامؑ کے صبر کے لئے دنیا سے آپؑ کی بے رغبتی کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے پوری زندگی دنیا اور اس کی لذتوں سے دوری اختیار کی، بھوک مصیبتیں اور زہد اختیار کیا پیٹ پر پتھر باندھا۔

امامؑ کی زندگی مشقتوں، تکلیفوں اور مشکلات سے بھری ہوئی تھی لیکن آپؑ نے ان تمام مشکلات کا نہایت صبر و تحمل سے سامنا کیا اور ان کے سامنے اپنی مضبوط قوت ارادی سے ڈٹے رہے۔

گلشن معرفت میں

امام کے افکار کے نمونے
امام کے قلمی شاہکار
آپؑ کی نصیحتوں کے نمونے
امام کی حکمتوں کے کچھ نمونے

حضرت علیؑ کی شخصیت کی شناخت کے متعلق گفتگو چاہے جتنی وسیع اور جامع کیوں نہ ہو ان کے افکار کی بلندیوں کو چھونا ناممکن ہے عالم اسلام میں پھیلے ہوئے ان کے گرانقدر افکار کو درک نہیں کیا جا سکتا۔

ہمارے لئے بس اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ عالم میں ظہور پذیر ہونے والے تقریباً سبھی مکاتب فکر نے اپنے آپ کو حضرت علیؑ سے منسوب کیا ہے اور سبھی نے اپنی کامیابی کے لئے انھیں کی بارگاہ سے مدد طلب کی ہے۔

مثلاً اشاعرہ اپنے آپ کو حضرت علیؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں اسی طرح فرقہ صوفیہ کا دعویٰ ہے کہ ان کے امام حضرت علیؑ ہیں اس کے علاوہ بھی بہت سے اسلامی فرقے (۱۰۹) موجود ہیں جو کسی نہ کسی طرح سے اپنے آپ کو حضرت علیؑ کی ذات سے نسبت دیتے ہیں ہم اگر انھیں چھوڑ بھی دیں تب بھی آپؑ کے شیعہ تو موجود ہی ہیں جو قرآن کے بعد انھیں ثقل دوم سمجھتے ہیں جن سے تمسک کو شرع نے پیغمبر اکرمؐ کی زبان سے مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے؛

" انی تارک فیکم الثقلین ، کتاب اللّٰہ و عترتی اهلبیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا ابداً و انهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض ۔ "(۱۱۰)

میں تم لوگوں کے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت جب تک تم ان دونوں سے متمسک رہوگے ہرگز گمراہ نہیں ہو

سکتے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر ایک ساتھ وارد ہوں گے۔

ہر مکتب فکر کا یہ دعوی کہ وہ حضرت علیؑ کے خوان علم و فیض کے خوشہ چینوں میں شامل ہے عالم اسلام میں امامؑ کی عظمتوں کے بہترین گواہ ہے اور یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو حضرت کے بعد کسی کو بھی حاصل نہ ہو سکی۔

اسلام کی ثقافتی ، علمی اور دوسری تمام شخصیتوں نے یہی کوشش کی ہے کہ وہ اپنے آپ کو حضرت علیؑ سے منسوب کریں یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ امام علیؑ علم کے تمام شعبوں میں مہارت رکھتے تھے بلکہ تمام علوم و فنون کا سرچشمہ تھے آپؑ نے مختلف علوم کے خاکے لوگوں کے سامنے پیش کئے اور اس کی تحقیق اور وضاحت آئندہ آنے والے محققین کے لئے چھوڑ دی۔

یہ عظیم سرمایہ جو حضرت علیؑ نے بشریت کو عطا کیا تھا در اصل نبی اکرمؐ کی اس تربیت کا نتیجہ تھا جو حضرت علیؑ کو بچپن سے لے کر آنحضرتؐ کی زندگی کے آخری لمحے تک حاصل رہی اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے بلکہ تمام مؤرخین اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ خود حضرت علیؑ نے بھی اپنی اس تربیت کے بارے میں تفصیل سے بتایا ہے جس کا ذکر ہم نے اس کتاب کے ابتدائی ابواب میں کیا ہے۔

ابو سعید خدری بھی اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"علیؑ کو رسول خداؐ کے ساتھ اس طرح کی تنہائیاں میسر تھی جس سے دوسرے تمام لوگ محروم تھے۔ (۱۱۱)

ابن عباس نے حضرت علیؑ سے نقل کیا ہے: میرا آنحضرتؐ سے دو تعلق تھا دن کا

تعلق اور رات کا۔ (۱۱۲)

یہ آنحضرتؐ کی خاص تربیت کا نتیجہ ہی تھا کہ امامؑ کی شخصیت کے سارے پہلو الہی رنگ میں ڈھل گئے آنحضرتؐ نے آپؑ کو ہر طرح سے کامل کر دیا تھا تاکہ ان کے بعد امت کی رہبری سنبھال لیں۔

یہاں پر ہم ان خاص عطیات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو حضرت علیؑ نے بشریت کو عطا کیے ہیں لہذا اس بات کا ذکر مناسب ہوگا کہ آنحضرتؐ حضرت علیؑ کی شخصیت کی تعمیر کے ساتھ ہی ساتھ امت کو حضرت علیؑ کی صلاحیت اور مرتبے سے بھی آگاہ کرتے جاتے تھے تاکہ امت کو آپؑ کو اہمیت اور حقیقت کی کچھ شناخت ہو جائے اسی ضمن میں آنحضرتؐ نے فرمایا: **انا مدینة العلم و علی بابها فمن اراد العلم فلیاته من بابه**۔ (۱۱۳) میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ لہذا جسے علم چاہیے اسے اس شہر کے دروازے سے آنا چاہیے۔

اس کے علاوہ آپؐ نے فرمایا: علیؑ علم کا دروازہ اور میری رسالت کی وضاحت کرنے والے ہیں۔ (۱۱۴)

ابن مسعود کہتے ہیں: ہم آنحضرتؐ کی خدمت میں تھے کہ علیؑ کی بات چل پڑی تو آنحضرتؐ نے فرمایا: حکمت دس حصوں میں تقسیم کی گئی جس کے نو حصے علیؑ کو دیے گئے اور ایک حصہ دوسرے تمام لوگوں اور علیؑ کو دیا گیا اور علیؑ اس حصے میں بھی دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ دانا ہیں۔ (۱۱۵)

اس سلسلے میں وارد ہونے والی احادیث اور روایتیں بے شمار ہیں ان سب کا ذکر ممکن نہیں ہے البتہ اس طرح کی تمام احادیث کا مقصد لوگوں کے سامنے علیؑ کے مقام و منزلت کی وضاحت کرنا ہے جو امت کو کھلے طور پر اس بات کی طرف بلاتی

ہیں کہ معارف و علوم کو علیؑ سے سیکھو۔ (۱۱۶)

کیونکہ ہدایت انھیں سے مدد طلب کرتی ہے اور اور وہی صراط مستقیم ہیں جو آنحضرتؐ کے بعد لوگوں کو خدا تک پہنچاتے ہیں۔

حضرت علیؑ کے بہت سے معاصرین آپ کی علمی بلندی سے بخوبی واقف تھے اور انھیں اسلامی امت میں آپ کے خاص مقام اور مرتبے کا بخوبی احساس تھا۔

ابن عباس کہتے ہیں: علیؑ ابن ابی طالب کو نو عشر علم عطا کیا گیا اور بچی ہوئی دہائی میں بھی آپؑ دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ (۱۱۷)

عطا بن ابی ریاح سے پوچھا گیا: آنحضرتؐ کے بعد علیؑ سے زیادہ صاحب علم کسی کو جانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں خدا کی قسم کسی کو نہیں جانتا۔

عمر بن خطاب کہتے ہیں: علم کے چھ حصے ہیں علیؑ کے پاس اس کے پانچ حصے ہیں اور باقی ایک حصہ تمام لوگوں کے پاس ہے۔ یہاں تک کہ عمر بن خطاب برابر کہا کرتے تھے: خدا مجھے کسی ایسی مصیبت میں گرفتار نہ کرے کہ ابو الحسن اسے دور کرنے کے لئے موجود نہ ہوں۔ (۱۱۸)

عائشہ کا کہنا تھا: علیؑ تمام لوگوں سے زیادہ سنت کا علم رکھتے ہیں۔ (۱۱۹)

اس طرح کے بے شمار اقوال موجود ہیں جن میں حضرت علیؑ کے بے پناہ علم کا اعتراف کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ خود امیر المومنین حضرت علیؑ نے بھی اپنے علم کی وضاحت کی ہے آپؑ فرماتے تھے:

میرے سینے میں علم بھرا ہوا ہے جسے میں نے نبی اکرمؐ سے سیکھا ہے اگر مجھے اس کی اہلیت رکھنے والوں کا پتہ ہوتا تو میں انھیں اس کا کچھ حصہ سکھا دیتا (۱۲۰)

اسی طرح ایک اور جگہ اپنے علم کے متعلق فرماتے ہیں جیسا کہ ابن نباتہ کہتے ہیں:
جب لوگوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کر لی تو ایک دن آپؑ مسجد میں تشریف لائے آپ کے سر پر پیغمبر اکرمؐ کا عمامہ تھا اور آنحضرتؐ کی ہی عبا اوڑھے ہوئے تھے آپ منبر پر تشریف لے گئے، حمد و ثنائے الٰہی کے بعد لوگوں کو وعظ و نصیحت کی اس کے بعد آپ نے مٹھیاں بھینچ کر اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

" **یا معشر الناس سلونی قبل ان تفقدونی ، سلونی فانّ عندی علم الاولین و الاخرین ...** "

اے لوگو پوچھ لو مجھ سے قبل اس کے کہ تم مجھے کھو دو پوچھ لو کہ میرے پاس اولین اور آخرین کا علم موجود ہے۔

" خدا کی قسم اگر میں مسند قضاوت پر بیٹھ جاؤں تو تورات کے پیروکار وں کے لئے تورات کے احکام کے مطابق فیصلہ کروں اور انجیل کی پیروی کرنے والوں کے لئے انجیل سے زبور کی پیروی کرنے والوں کے فیصلے زبور کی احکام کے مطابق کروں اور قرآن کی پیروی کرنے والوں کے درمیان رہوں تو اس کے احکام کے مطابق فیصلہ کروں یہاں تک یہ تمام مقدس کتابیں خداوند عالم کے حضور کہیں خدایا علیؑ نے تیرے حکم کے مطابق فیصلہ کیا۔ خدا کی قسم علم قرآن کا دعوی کرنے والے تمام لوگوں سے میں بہتر ہوں میرے پاس اس کا علم ہے اور اس کتاب کی تاویل مجھے معلوم ہے ... مجھ سے سوال کرو قبل اس کے تم مجھے کھو دو اس خدا کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور روح کو خلق کیا اگر تم قرآن کی ایک ایک آیت کے بارے میں مجھ سے سوال کرو تو میں تمھیں اس کی شان نزول وقت نزول ناسخ، منسوخ خاص، عام محکم، متشابہ مکی اور مدنی سب کے بارے میں بتا دوں گا۔

خدا کی قسم کوئی گروہ بھی گمراہ نہیں ہوتا اور کوئی بھی ہدایت یافتہ نہیں ہوتا مگر یہ کہ میں اس کے رہبر اور عامل سے واقف ہوتا ہوں۔ (۱۲۱)

مجھ سے سوال کرو خدا کی قسم تم جس چیز کے بارے میں بھی مجھ سے سوال کروگے میں تمھیں جواب دوں گا کتاب خدا کے بارے میں پوچھو خدا کی قسم کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کے بارے میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کب نازل ہوی دن میں نازل ہوئی یا رات میں جنگل میں نازل ہوئی یا پہاڑوں میں (۱۲۲)

مختلف مقامات پر مختلف اوقات میں حضرت علیؑ کا یہ دعوی کہ پوچھ لو جو بھی مجھ سے پوچھنا چاہو خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپؑ کے پاس بیکراں علم تھا اور یہ بات ہم اس باب میں ثابت بھی کریں گے۔

اس کے علاوہ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ حضرت علیؑ کی منزلت اور ان کے علم کے متعلق آنحضرتؐ نے لوگوں کو بتایا ہی نہیں تھا تو بھی یہ بات تو ہے ہی کہ حضرت علیؑ نے کسی بھی مسئلے میں معمولی سا تامل بھی نہیں کیا جس نے جو بھی سوال کیا فوراً جواب دیا اور سوال کرنے والے کے سامنے حددرجہ خود اعتمادی کا اظہار کیا۔ کیا یہ تمام چیزیں آپؑ کے اتھاہ علم کے لئے دلیلیں نہیں ہیں؟ ایسا اعلان جو علیؑ کے پہلے کسی کے منہ سے سنائی نہیں دیا ایسا دعوی جو خلقت سے لے کر علیؑ تک کسی نے نہیں کیا تھا کیونکہ سب کو احساس تھا کہ یہ کوئی معمولی دعوی نہیں ہے آپؑ کے بعد بعض لوگوں نے یہ دعوی کیا بھی تو وہیں رسوا ہوگئے۔

بہت سے دانشوروں نے علیؑ کے اس دعوی "**سلونی قبل ان تفقدونی**" کا جائزہ لیا اور اس کی اہمیت کا اعتراف کیا سعید بن مسیب کا کہنا ہے: علیؑ ابن ابی طالب کے علاوہ کسی میں اتنی جرات نہیں ہوئی کہ وہ دعوی کرے اور نہ ہی کسی کو اپنے

اور پر اتنا اطمینان تھا کہ وہ منبر پر جاکر کہتا : **سلونی قبل ان تفقدونی** ... (۱۴۳)

اسی طرح ابن شبرمہ کا قول ہے : علیؑ کے علاوہ کسی کو بھی یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ منبر پر جاکر کہے : **سلونی قبل ان تفقدونی** ... (۴۴)

آپؑ کا یہ اعلان بلا شبہ علم کے ایسے لازوال سوتے کی نشاندہی کرتا ہے جس کی بدولت انسان تمام لوگوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے ۔

شخصیت کے چند پہلو

حضرت علیؑ کی معرفت اور ان کے علم کے متعلق اس مختصر سی تمہید کے بعد ہمارے لئے یہ ثابت کرنا آسان ہوگا کہ علیؑ کے پاس موجود علم و معرفت سب کچھ در اصل آنحضرتؐ کی بے مثال تربیت اور توجہ کا نتیجہ تھا ۔ اجتماعی اور فکری لحاظ سے آپؑ کی مرکزیت اس بات کی متقاضی تھی کہ آنحضرتؐ کے بعد ان کے جانشین بر حق آپؑ ہی ہوں ۔ اسی لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لوگوں کو یہ بتا دیا کہ میرے بعد امت کی قیادت اور امامت کا حق علیؑ کو ہوگا اس کے لئے آپؐ نے مختلف مقامات پر حضرت علیؑ کے علمی مقام سے لوگوں کو آگاہ کیا ان سب کی طرف ہم نے گزشتہ ابواب میں اشارہ کیا تھا یہاں پر ہم حضرت علیؑ کی ان خدمات کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جو آپؑ نے انسانیت کے لئے کی ہیں ہم یہاں دیکھیں گے کہ آپؑ نے ایک انسان کی حیثیت سے دنیا کے انسانوں کو کیا دیا ؟

اگر چہ امامؑ کے تمام افکار ایک با مقصد ذمہ داری کے عنوان سے الہی رسالت کے لئے کار فرما تھے اور اسی عظیم ہدف کی تکمیل کے لئے کوشاں تھے اور اسلامی تاریخی کے

اسلوب کو معین کر رہے تھے لیکن اس کے باوجود مختلف فکری باتوں اور عقائد و آراء سے مالا مال ہونے کی وجہ سے تمام انسانوں کے لئے بھی ایک ٹھنڈے خوشگوارا چشمے کی طرح تھے جو تمام انسانوں کو سیراب کرتا اور انہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا تھا۔

قبل اس کے کہ ہم امام علیؑ کی شخصیت کے مختلف شناختی پہلوؤں کا جائزہ لیں بہتر ہوگا کہ اس طرف بھی اشارہ کر دیں کہ اگر چہ آپؑ نے مختلف علوم اور موضوعات پر علم کے دریا بہا دیئے لیکن اس کے باوجود چونکہ امامؑ کی شخصیت اس عہد کے سماجی اور سیاسی ماحول سے کہیں زیادہ بلند تھی اسی لئے آپؑ اپنی خواہش کے باوجود بہت سے علوم کے نہاں اسرار اس ماحول میں صلاحیت نہ ہونے کی بنا پر منتقل نہ کرسکے سیاسی حالات نے آپؑ کو ایسی مشکلات سے دوچار کر دیا تھا جس کی وجہ سے رسالت اور اسلامی مصلحتوں کے تقاضوں کو پوری طرح توقع کے مطابق پورا کرنا ممکن نہیں تھا اس کے ساتھ ہی اس وقت کے سماجی حالات کے نتیجے میں پیدا ہو والے خطرات بھی کسی طرح سے سیاسی خطروں سے کم نہیں تھے۔

جس معاشرے میں علیؑ رہتے تھے وہ علم و رشد کے ستون پر استوار نہیں تھا جو امامؑ اور انسانی زندگی میں ان کے بادیانہ کردار کے اہم رول سے واقف ہوتا اس کے لئے بہترین دلیل وہ بے ہودہ اور احمقانہ سوالات ہیں جو امامؑ سے اکثر پوچھے جاتے تھے، جب آپؑ ان سے کہتے تھے کہ میرے پاس نبیؐ سے حاصل کیا ہوا علم کا ذخیرہ ہے تم مجھ سے سوال کرو تو وہ علمی سوالات کے بجائے بے ہودہ اور بے مقصد سوالات کرنے لگتے تھے۔ یہاں پر ہم ایسے چند نمونوں کا ذکر کر رہے ہیں جو اس معاشرے کے افراد کی ذہنیت اور فہم کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ایک دن آپ نے لوگوں سے کہا کہ قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان سے چلا جاؤں مجھ سے جو چاہو پوچھ لو ۔ خدا کی قسم تم کسی ایسے گروہ کے بارے میں سوال نہیں کروگے جو ایک نسل کو گمراہ کر دیں گے یا ان کے بارے میں جو ایک نسل کو ہدایت کے راستے پر لگا دیں گے مگر یہ کہ میں تمھیں ان کے آواز لگانے والے اور ان کو راستہ بتانے والے کے بارے میں بھی بتا دوں گا ۔ اور اگر میں چاہوں تو تم میں سے ہر ایک کے آغاز اور انجام اور سارے اعمال کے متعلق بتا دوں ۔ امامؑ کے اسی خطبے کے دوران " سنان بن انس نخعی " نے کھڑے ہوکر پوچھا ؛ ذرا مجھے بتائیں کہ میرے سر اور ڈاڑھی میں کتنے بال ہیں ؟ (۳۵)

دوسرا نمونہ ؛ ایک دن امامؑ آئندہ کے اہم واقعات سے متعلق گفتگو کر رہے تھے اسی دوران " اعشی باہلہ " نامی شخص نے مذاق کرتے ہوئے کہا ؛ اے امیر المومنین ا یہ باتیں خرافات سے کتنی ملتی جلتی ہیں ۔ (۳۶)

یہ ہے امام کے بعض معاصروں کا آپؑ کے ساتھ سلوک کا نمونہ ... ان لوگوں نے آنحضرتؐ کے بعد ملنے والے بہترین موقع کو گنوا دیا ۔

اس زمانے کے اکثر افراد پر غالب اس فکری جمود اور کوتاہی کے باوجود بعض لوگ اس وقت بھی ایسے موجود تھے جنھیں حقیقی معنوں میں علم کی طلب تھی وہ ہدایت و نیکی کے لئے کوشاں رہتے انھیں امامؑ کی شخصیت سے آگہی بھی حاصل تھی اور انھیں مختلف اسلامی معارف و علوم اور انسانیت کے کمال کے لئے ضروری دوسرے علوم میں آپؑ کی بے پناہ آگاہی پر یقین بھی تھا ۔

امیر المومنین بھی عقلمند افراد پر اسی طرح اعتماد کرتے تھے جیسا وہ لوگ آپؑ پر بھروسہ کرتے تھے اسی وجہ سے آپؑ اس طرح کے افراد کی ہر جہت اور ہر طریقے سے

تربیت کرتے اور اور اپنے مختلف علوم سے انھیں آشنا کرتے تھے۔ تاکہ وہ راستہ جاری رہے جس کا آغاز رسول اکرمؐ نے کیا تھا اور جو امامت کی شکل میں حضرت علیؑ سے امام مہدی (عج) تک آگے بڑھے گی۔

امامؑ اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ علم و معرفت کے بہت سے اسرار اس طرح کے پاک و حقی افراد کے سینوں تک منتقل کر دیں (۱۲۷) اور اس طرح کے افراد کی اس تربیت کا سلسلہ جاری رکھیں جس کا آغاز پیغمبر اسلامؐ کے عصر میں ہی ہو چکا تھا۔

مختلف حکمت پاروں اور اسلامی معارف کو جو امامؑ کی ذات سے مخصوص تھے اگر مکمل طور پر محفوظ نہ رکھتے ہوئے صرف ان کے چند حصوں کو ہی سامنے لایا جائے تو وہ بھی امامؑ کی غیر معمولی علمی صلاحیت کے منہ بولتے ثبوت ثابت ہوں گے۔

پیش خدمت ہے امامؑ کے نظریات و افکار میں سمائے معارف و علوم کی ایک تصویر۔

اعتقادی تفکرات کی ایک جھلک

امامؑ کو اسلام کے اعتقادی مسائل میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی جس کا اظہار آپ کے خطبوں، خطوں، موعظوں اور مناظروں سے بخوبی ہوتا ہے۔

جو لوگ امامؑ کے بھولے بسرے عظیم فکری سرمایے کی تحقیق کرتے ہیں ان کے سامنے یہ ثابت ہو جاتا ہے امامؑ نے اسلامی افکار کو ان کے بنیادی زاویوں کے ساتھ نہایت اچھی طرح واضح کر دیا ہے اور اس طرح آپؑ نے خود غرض محقق کے سامنے ان مسائل کے متعلق ہر طرح کی تحریف اور اضافے کا راستہ بند کر دیا آپ کا بیان اتنا واضح ہوتا تھا کہ سننے والے کی سمجھ میں وہی بات آتی تھی جو آپ چاہتے تھے۔

خداوند عالم کی ذات، اس کے نام، اس کے ذاتی صفات اور افعالی صفات، رسالت، نبوت، وحی فرشتے، امامت، قضا، قدر، قبروں سے اٹھایا جانا، مرنے کے بعد روز قیامت دوبارہ زندہ ہونا دنیا کی حقیقت، بہشت، حساب کتاب وغیرہ کے فلسفے اسلام کے وہ بنیادی عقائد ہیں جنھیں امامؑ نے ایک خاص انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے اور جو قدرت بیان، قوت استدلال اور دلائل سے مالامال ہیں۔

اگر امت اسلامی کے تمام فرقے اس ٹھنڈے اور میٹھے چشمے سے سیراب ہو سکتے جسے امامؑ نے دنیائے علم و تفکر کے سامنے پیش کیا ہے تو اختلافات ختم ہو جاتے، لوگ متحد ہو جاتے اسلام ان خرافات اور تحریفوں سے محفوظ رہتا جن میں بہت سے اسلامی مسالک گرفتار ہیں۔

یہاں ہم امکان بھر اسلامی عقائد کے سلسلے میں آپؑ کے فکری آثار اور علمی ذخیروں کا ایک عام جائزہ لے رہے ہیں۔

خدا کی معرفت:

" الحمد للّٰہ الذی لا یبلغ مدحتہ القائلون ...

اس خدا کی حمد جس کی مدحت کا حق مدح کرنے والے ادا نہیں کر سکتے ...

اور گننے والے اس کی نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتے محنت کرنے والے اس کی بندگی کا حق ادا نہیں کر سکتے ، وہ خدا جس کے صفات کی کوئی حد نہیں جس کی توصیف ممکن نہیں اور جسے زمانہ میں محدود نہیں کیا جا سکتا جس کی کوئی انتہا نہیں اس نے مخلوقات کو اپنی قدرت سے وجود بخشا اور ہواؤں کو اپنی رحمت سے روانی عطا کی اور زمین کو مستحکم پہاڑوں کے ذریعے استوار کیا تاکہ وہ ڈگمگانے سے محفوظ رہے۔

* دین کی ابتدا اس کی معرفت ہے اور کمال معرفت اس کی تصدیق ہے اور کمال تصدیق اس کی توحید ہے اور کمال توحید اس کا اخلاص ہے اور کمال اخلاص اس سے صفات کی نفی ہے (وہ صفات جو اس کی ذات سے زائد ہیں) کیونکہ ہر صفت اس بات کی گواہ ہوتی ہے کہ وہ موصوف نہیں ہے اور ہر موصوف اس بات کا شاہد ہوتا ہے کہ وہ صفت نہیں ہے لہذا جس نے بھی خدا کی توصیف کی اس نے اس کے لئے ایک ساتھی قرار دے دیا اور جس نے بھی اس کے لئے کسی چیز کو ساتھی قرار دیا اس نے اسے دو تصور کیا اور جس نے اسے دو تصور کیا اس نے اس کی ذات کو تقسیم کر دیا اور جس نے اسے تقسیم کر دیا اور اس نے اسے پہچانا ہی نہیں اور جس نے اسے پہچانا نہیں اس نے ای کی طرف اشارہ کیا اور جس نے اس کی طرف اشارہ کیا اس نے اسے محدود قراردیا اور جس نے اسے محدود قرار دیا اس نے اسے گنتی کے قابل تصور کرلیا اور جو بھی یہ کہے کہ خدا کہاں ہے ؟ اس نے اسے کسی چیز کے درمیان قرار دیا اور جو یہ کہے کہ خدا کس چیز پر ہے ؟ اس نے دوسری چیزوں کو اس سے خالی تصور کر لیا خدا وند عالم ایک غیر حادث وجود ہے جو عدم کی گود سے نہیں نکلا ہے۔

وہ ہر چیز کے ساتھ ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اشیاء کے ساتھ لگا ہے وہ ہر

چیز سے الگ ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ تمام چیزوں سے جدا ہے کسی کام کو کرنے کے لئے وہ حرکت اور وسیلہ کی مدد نہیں لیتا وہ دیکھتا ہے لیکن مخلوقات اسے نہیں دیکھ سکتے وہ اس طرح کا یکتا ہے کہ کوئی اس کا انیس و ہمدم نہیں ہے جس سے اسے لگاؤ ہو یا جس کے چھوٹ جانے سے وہ پریشان ہو جائے ۔ مخلوقات کو اس نے خلق کیا اور کائنات کو آغاز بخشا لیکن اس کے لئے اسے فکر و تحقیق کی ضرورت نہیں پڑی اور نہ ہی اس نے اس کے لئے کسی تجربہ سے فائدہ اٹھایا نہ کوئی حرکت کی اور نہ ہی خود کو تشویش میں مبتلا کیا ۔

اس نے ہر چیز کو اس کے وقت پر منحصر کیا اور مختلف موجودات کو وجود بخشا اور ہر ایک کے لئے خواہشات مخصوص کیں ان کی خلقت سے پہلے ہی اسے ان کے بارے میں علم تھا اور ان کے حدود اور ان کے خاتمے سے وہ واقف تھا اور ان کے جوڑوں اور پہلوؤں کا اسے بخوبی علم تھا ۔ ۱۲۸

ایک دوسری جگہ امام علیہ السلام خدا کی معرفت کے متعلق فرماتے ہیں :

" وہ پہلا وجود جس سے پہلے کوئی چیز موجود نہیں تھی اور وہ وجود جس کی کوئی انتہا نہیں ہے ۔ خیالات اس کے صفات کو پا نہیں سکتے اور دل اس کی وجود کا راز سمجھ نہیں سکتے اس کے متعلق تجزیہ اور تبعیض کا تصور بھی ممکن نہیں ہے دل اور آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتیں ۔ ۱۲۹

" خدا پیدا نہیں ہوا کہ عزت میں کوئی اس کا شریک ٹھرے اس سے کوئی پیدا نہیں ہوا ہے کہ کوئی اس کا وارث قرار پائے اور وہ ان کے درمیان سے چلا جائے ۔ کوئی وقت کوئی زمانہ اس سے پہلے نہیں تھا ۔ کمی بیشی سے وہ منزہ ہے بلکہ اس نے بہترین تدبیر اور حکمت کی علامتوں سے اپنی نشاندہی کی ہے ۔ ۱۳۰

" اس کی حمد و ثنا جو عرش ، کرسی ، آسمان ، زمین ، جن اور انسان کے وجود سے پہلے تھا وہ خدا کہ جو وہم میں سما نہیں سکتا اور فہم جس کا ادراک نہیں کر سکتی حاجت مند اسے دوسرے امور سے غافل نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کے خزانے میں کوئی کمی لا سکتے ہیں آنکھوں سے وہ دیکھا نہیں جا سکتا اور نہ ہی کسی جگہ محدود ہو سکتا ہے اس کا کوئی جوڑا نہیں ہے اور نہ ہی اس نے مخلوقات کو کسی وسیلے کے ذریعے خلق کیا ہے حواس کے ذریعے اس کا ادراک ممکن نہیں اور لوگوں سے اس کا مقائسہ نہیں کیا جا سکتا ۔ " ۱۳۱

امیرالمومنینؑ نے اس طرح خدا وند عالم کی یگانگت اور یکتائی کے مفہوم کو واضح کیا ہے اور اسے پہچنوایا ہے جس طرح خدا وند عالم کو پسند تھا آپؑ نے اس کی اسی طرح توصیف کی ۔ امام نے خدا وند متعال کو تشبیہ ، غیر خدا کی طرح ہونے مکان ، تقسیم ، تبعیض اور تمام طرح کے نقص و عیب سے منزہ قرار دیا ہے ، مخلوقات کے صفات سے اس کو مشابہ قرار نہیں دیا اور یہی وہ چیز ہے جو خدا چاہتا ہے اور اسی طرح کی توصیف کی خدا وند عالم نے اپنے اولیاء اور مقربین کو تعلیم دی ہے ۔

رسالت و نبوت

جس طرح حضرت علیؑ نے توحید اور اس کے حقائق کے تمام پہلو اجاگر کئے ہیں اسی طرح آپ نے نبوت کی بھی نہایت جامع ، بنیادی اور ہمہ گیر توصیف کی ہے ۔ اور اس کے مقاصد و فلسفہ کو بیان کیا ہے ۔ آپ نے لوگوں کو یہ بتایا کہ خدا وند عالم کے بیکراں لطف و کرم نے اسے اس بات کا پابند بنا دیا کہ وہ اپنے بندوں کو

رسالت سے نوازے تاکہ وہ لوگوں کو اس وقت ہدایت کی شاہراہ اور حق کے راستے کی طرف رہنمائی کر سکیں جب وہ خدا کے ساتھ کئے اپنے عہد و پیمان کو بھلا چکے ہوں اور الٰہی فطرت سے دور ہو چکے ہوں۔

امامؑ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

" خداوند عالم نے بنی آدم میں سے پیغمبروں کو چنا وحی کے ذریعے ان سے عہد لیا۔ جب اکثر لوگوں نے خدا کے عہد کو بدل ڈالا تھا اور اس کے حق سے غافل ہو چکے تھے اس کے لئے شریک اور فریق گڑھ لئے تھے، شیطانوں نے انھیں خدا کی معرفت سے دور کر دیا تھا اور انھیں اس کی عبادت سے کوسوں دور لے گئے تھے لہذا اس نے انھیں بندوں کے درمیان سے پیغمبروں کو منتخب کیا اور رسولوں کو متواتر بھیجا تاکہ وہ بندوں سے عہد خدا پر باقی رہنے کا مطالبہ کریں اور اس کی بھلا دی جانے والی نعمتوں کو یاد دلائیں، اپنی ذمہ داری نبھا کر اتمام حجت کر دیں، عقلوں کے خزانوں کو متحرک کریں اور آیات الٰہی کو انھیں دکھائیں۔ انھیں سر پر آسمان کے شامیانے، ان کے پیروں کے نیچے پھیلی ہوئی وسیع زمین، ان کی زندگیوں کے لئے لازم بنیادی اشیاء، وہ اجل جو انھیں فنا کر دیتی ہے، وہ بیماریاں جو انھیں بوڑھا کر دیتی ہیں اور وہ حادثات جن کا وہ مسلسل شکار ہوتے رہتے ہیں ان سے انھیں آگاہ کریں۔

خداوند عالم نے مخلوقات کو، پیغمبروں، کتاب، حتمی حجتوں، اور صراط مستقیم سے محروم نہیں رکھا ہے۔ ایسے پیغمبر جن کی راہوں میں دوستوں کی کمی اور دشمنوں کی زیادتی نے رکاوٹ کھڑی نہیں کی۔ ایسے پیغمبر جنھیں آئندہ آنے والے پیغمبروں کے نام بتا دیئے گئے تھے اور ان سے پہلے والے پیغمبر کے متعلق سب کچھ بتا دیا گیا تھا۔ اس طرح صدیاں گزر گئیں زمانے گزر گئے باپ مر گئے اور ان کی جگہ ان کے بیٹے آ

گئے یہاں تک کہ خدا وند عالم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کو اپنا وعدہ پورا کرنے ، اور نبوت کو مکمل کرنے کے لئے چن لیا یہ ایسی حالت میں تھا کہ خدا وند عالم نے ان سے پہلے گزر جانے والے انبیاء و رسل سے ان کے متعلق عہد لے لیا تھا وہ ولادت عظیم تھی ان کے علامتیں مشہور ہو چکی تھیں لوگ اس وقت بکھرے ہوئے تھے خواہشات مختلف تھیں ، اطوار درہم و برہم تھے کچھ لوگ خدا کی شبیہ قرار دیتے تھے یا اس کا نام لے کر کفر و الحاد کی راہوں میں بھٹکتے تھے یا خدا کے علاوہ دوسروں کی طرف اشارہ کرتے تھے یہاں تک کہ خدا وند عالم نے انحضرتؐ کے ذریعے انھیں گمراہی کی اندھیری گلیوں سے نکالا اور ہدایت کی روشن راہوں پر گامزن کر دیا اور ان کی با برکت ذات کی طفیل بندوں کو نجات بخش دی ... (۱۳۲)

اسی طرح ایک دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں :

" خدا وند عالم نے نبیوں کو وحی کی خصوصیت عطا کرکے مبعوث کیا اور انھیں لوگوں پر حجت قرار دیا تاکہ وہ لوگ اس بات کا بہانہ نہ کر سکیں کہ ان پر اتمام حجت نہیں ہوئی تھی اس طرح اس نے سچی زبان کے ذریعے لوگوں کو راہ حق کی طرف دعوت دی ۔ ۱۳۳

اسی طرح آپ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے ایک جگہ فرمایا :

" فبعث اللہ محمداً بالحق لیخرج عبادہ من عبادۃ الاوثان ... "

خدا وند عالم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کے بندوں کو محکم و واضح قرآن کے ذریعہ سے بتوں کی پرستش سے خدا کی بندگی کی طرف اور شیطان کی اطاعت سے اللہ کی طرف نکال لے جائیں اور بندے اپنے

پروردگا سے جاہل و بے خبر رہنے کے بعد اسے جان لیں ، ہٹ دھرمی اور انکار کے بعد اس کے وجود کا یقین و اقرار کرلیں ۔ اللہ ان کے سامنے بغیر اس کے کہ اسے دیکھا ہو قدرت کی (ان نشانیوں) کی وجہ سے جلوہ فزا ہے جو اس نے اپنی کتاب میں دکھائی ہیں اور انہیں اپنی شان و شوکت سے ہیبت زدہ کیا ہے ۔
دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جنہیں اسے مٹانا تھا انہیں کس طرح اپنی عقوبتوں سے مٹا دیا اور جنہیں تہس نہس کرنا تھا انہیں کیونکر صفحہ ہستی سے نابود کردیا ۔

اسلامی امت میں امامت کا کردار :

امام ہی ہوتا ہے جو کردار امامت اس کے مقاصد اور اس کی ضرورت کو امت کے لیے بیان کرتا ہے یہی نہیں بلکہ وہ امت اسلامی کو بتاتا ہے کہ ائمہ ، پیغمبرؐ کے بعد احکام الٰہی کی حفاظت کرنے والے جانشین اور بعد از پیغمبر کار رسالت کو قیامت تک آگے بڑھانے والے ہیں ۔ وہ تعارف کراتا ہے کہ (اے لوگو !) یہی ہیں جن کے ذریعہ حق کا قیام ہوتا ہے ۔ دین و شریعت اور احکام خدا وندی کی حفاظت اور امت کو ہدایت ملتی ہے اگر ان کا وجود نہ ہو تو مسلمانوں کے لیے گمراہی و تباہی کے علاوہ کچھ اور نہ ہوگا ۔

آپؑ فرماتے ہیں : امت میں سے کسی بھی فرد کا آل محمدؐ سے قیاس نہیں کیا جا سکتا اور وہ افراد جو ان کے وجود کی نعمتوں سے مستفید ہوتے ہیں ان سے مقابلہ اور برابری بھی نہیں کرسکتے دین کی اصل و اساس اور یقین کے ستون یہی لوگ ہیں ، آگے بڑھ جانے والوں کو چاہئیے کہ وہ ان سے متمسک ہوں اور پیچھے رہ جانے والوں کو چاہیئے کہ ان سے ملحق ہو جائیں ۔ حق ولایت اور اس کے خصائص انہیں سے

مخصوص ہیں وصیت و وراثت کے حق دار یہی ہیں (حق بات یہ ہے کہ) حق ، حقدار تک آج پہونچا ہے اور اپنے مرکز اصلی کی طرف منتقل ہوا ہے۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ائمہ علیہم السلام قریش میں سے ہوں گے اور اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی ہاشم کے کشت زار سے ابھریں گے۔ امامت ان کے علاوہ کسی اور کو نہ زیب دیتی ہے اور نہ ہی کوئی اس کا اہل ہو سکتا ہے۔

امامت اور امام کے سلسلہ میں واضح و روشن بیان کے بعد آپؑ اماموں سے منھ موڑ لینے اور انہیں جھٹلانے کے برے انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ائمہ اللہ کے معین کئے ہوئے حاکم ہیں اور اس کو بندوں سے پہچنوانے والے ہیں جنت میں وہی جائیگا جو انہیں پہچانے اور وہ اسے پہچانیں۔

اسی طرح آپؑ اسلامی معاشرے میں اجتماعی زندگی بسر کرنے کے اصول سے رو گردانی کے برے نتائج سے باخبر کرتے ہیں اور یہ کہ حق تک دسترسی امامؑ کے وسیلہ کے بغیر ممکن نہیں اور انہیں کی اطاعت و پیروی سے ہدایت مل سکتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں، کہاں کا رخ کئے جا رہے ہو۔ جب کہ پرچم ہدایت بلند کیا جا چکا ہے خدا کی واضح نشانیاں آچکی ہیں مشعل نور فروزاں ہے تمہیں کس نے سرگرداں کیا۔ تم دست و گریباں کیوں ہو؛ جب کہ تمہارے نبیؐ کی پاک عترتؑ تمہارے درمیان ہے حق کی زمام انہیں کے پاس ہے دین کے محافظ یہی ہیں۔ قول (فعل) کے سچے انہیں کو کہا گیا ہے، پس ان کو قرآن کا درجہ دو اور تشنگی و بے قراری کے عالم میں ان کی جانب دوڑو!

پھر امام علیہ السلام اس بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ امامت کو امت سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہ سکتی جو خاندان نبوت کی ایک

فرد ہے اور وہی پرچم ہدایت کو بلند کرنے والا ہے۔

" رسالت و نبوت " کے سلسلہ میں آپؑ کے اتنے ہی گراں بہا بیانات کافی ہیں جو لوگ مزید بیان کے خواہاں ہیں وہ کتاب نہج البلاغہ کی طرف رجوع کریں جو ایک ایسا سرچشمہ ہے جہاں سے معرفت و اعتقادات کے دریا بہتے ہیں۔

آپؑ کی سیاسی و اجتماعی فکر کی ایک جھلک :

امیر المومنین علی علیہ السلام کے دوران حکومت کے مختصر ایام میں جو سیاسی و اجتماعی امور انجام پائے ہیں خصوصا حضرتؑ نے جو سیاسی فکر امت کے حوالے کی ہے جب تک کرۂ ارض پر انسانیت کے آثار باقی رہیں گے اس وقت تک انسان کے تمام ضروریات کی تکمیل کی ضامن رہے گی حضرتؑ کے خطبے ، خطوط اور مختلف گورنروں کو دیئے گئے احکام و فرمان نیز تجاویز ایسا گراں بہا ذخیرہ ہے جس میں حیات انسانی کی بقا اور ترقی کے تمام وسائل موجود ہیں آپؑ اقتصاد کے سلسلہ میں مشکلات و بحران کے خاتمے کے لئے ایسا کامل نظام پیش کرتے ہیں کہ اگر دولت و ثروت کی تقسیم میں موجودہ روش کے بر خلاف اسلامی عدالت کے پیش نظر مال تقسیم کیا جائے تو کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ آپؑ اقتصادی مشکلات کے حل کی خاطر تنہا لوگوں سے اجتماعی عدل و انصاف کی تلقین پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس سلسلہ میں نفسیاتی و عملی اعتبار سے قدم اٹھاتے ہیں اور معاشرے میں موجود اجتماعی ظلم و ستم اور بے عدالتی کو اسلامی عدال اور عمومی رضایت میں بدلنے کی خاطر ایسے ایسے ضوابط اور قانون وضع فرماتے ہیں جن کی بنیاد پر وہ مال جو بعض لوگوں کے جیب یا خزانوں میں ناحق بھر دیا گیا تھا واپس آ جاتا ہے ، بیت المال پر ایسا پہرہ کہ تمام درآمد اور

تقسیم پر دقیق نظر اور سخت حساب، اسی طرح مختلف شہروں کے لیے بنائے گئے والیوں اور گورنروں کو زیر نظر رکھنا عبر رساں کمیٹی اور اطلاعات کے ذریعہ ان کی کارگردگی کو ملاحظہ کرنا آپؑ کے ضروری امور میں سے تھا۔

اسی لیے ہم حضرتؑ کے بہت سے ایسے کلام اور خطوط میں جو آپؑ نے والی شہر یا کسی ذمہ دار شخصیت کو لکھے ہیں یہ بات ملاحظہ کرتے ہیں کہ کبھی آپؑ انہیں عدالت کی بہترین روش پر چلنے کی نصیحت کرتے ہیں کبھی ان سے سخت انداز میں باز پرس کرتے ہیں، یا انہیں اموال کے محاسبہ کی مزید توضیح کے لیے اپنے پاس بلا لیتے ہیں یا پھر کسی خیانت کے سبب ان سے عہدہ چھین کر کسی لائق کے سپرد کر دیتے ہیں۔

امیر المومنین علی علیہ السلام جس طرح معاشرے کے اقتصاد کے سلسلہ میں شریعت میں موجود حکم و روش کو رائج کرتے ہیں۔ اسی طرح معاشرے کے دوسرے گوشوں کو بھی اپنی حکیمانہ روش اور طریقوں سے استوار کرتے ہیں۔ نہج البلاغہ میں یہ تمام باتیں نصوص کے عنوان سے موجود ہیں کہ حکام، والی شہر یا ایک اسلامی حاکم چاہے پورے ملک کے لیے حاکم ہو یا کسی شہر کا حاکم بنایا گیا ہو اس کی عملی ذمہ داری اور خصوصیتیں کیا کیا ہونی چاہیئے۔

اس سلسلہ میں بھی آپؑ فرماتے ہیں:

" و قد علمتم انه لا ينبغي ... " (۱۳۰)

اے لوگو! تمہیں یہ معلوم ہے کہ ناموس، خون، مال غنیمت، احکام اور مسلمانوں کی قیادت و رہبری کے لیے کسی طرح مناسب نہیں کہ کوئی بخیل حاکم ہو کیوں کہ اس کا دانت مسلمانوں کے مال پر لگا رہیگا اور نہ کوئی جاہل حاکم ہو کہ وہ انہیں اپنی جہالت کی وجہ سے گمراہ کردے گا اور نہ کوئی جفا کرنے والا حاکم ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی

تند مزاجی سے چرکے لگاتا رہیگا ۔

اسی طرح نہ وہ جو مال و دولت میں بے راہ روی کرتا ہے کہ اس طرح وہ کچھ لوگوں کو دے گا اور کچھ کو محروم کر دے گا نہ ہی وہ شخص حکومت کے لائق ہے جو فیصلہ کرنے میں رشوت لیتا ہے کیوں کہ ایسا شخص دوسروں کے حقوق رائیگاں کر دے گا اور انہیں انجام تک نہیں پہونچائے گا ۔ اور نہ کوئی سنت کو چھوڑ دینے والا حاکم ہو سکتا ہے اس لیے کہ ایسا شخص امت کو تباہ و برباد کر دے گا ۔

پھر فرماتے ہیں :

" من نصب نفسه للناس اماماً ... " (۱۴۱)

جس نے لوگوں کی قیادت و رہبری کو اپنے ذمہ لیا ہو اسے چاہئیے کہ دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے اپنے آپ کو علم (و عمل) کی زینت سے آراستہ کرے ، اور قبل اس کے کہ دوسروں کو وعظ و نصیحت کرے ان کی عملی تربیت کا اہتمام کرے ، وہ شخص جو خود اپنے کو علم و عمل اور تربیت سے آراستہ کرتا ہے اس بات سے زیادہ قابل احترام ہے کہ وہ دوسروں کو تعلیم و تربیت دیتا ہے ۔

آپؑ فرماتے ہیں :

" لا يقيم امر الله سبحانه ... "

حکم خدا کو وہی شخص رائج کر سکتا ہے جو سازش ، ضعیف عمل ، اور ہوائے نفس کی پیروی کرنے والا نہ ہو ۔

اسلامی حاکم کے صفات و کمالات کے سلسلہ میں جامع ترین کلام اور سخن دیکھنا چاہتے ہیں تو امیر المومنین علیہ السلام کا وہ نامہ ملاحظہ کریں جسے آپؑ نے مالک اشتر کے نام تحریر کیا تھا جب ان کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا تھا حضرت کا یہ عہد نامہ ہمیں

تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیتا ہے اس لیے کہ یہ ایسا منشور ہے جس میں ایک صالح ترین حاکم کے تمام شرائط پائے جاتے ہیں منجملہ ایک حاکم کے لئے لازم ہے امت کے اجتماعی، سیاسی، اقتصادی تمام مسائل سے بخوبی آگاہ ہو۔ اس کے علاوہ حضرت کا یہ عہد نامہ معاشرے کی ضروریات کو تشخیص دینے کے ساتھ ساتھ اسلامی رہبری کی ضرورت کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے۔

مناسب تھا کہ یہاں حضرت کے اس عہد نامے کو جو مالک اشتر کے نام تھا ذکر کیا جاتا اس لیے کہ وہ اجتماعی اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں صالح ترین معاشرے کی تربیت میں جن اہم مسائل کی ضرورت ہوتی ہے ان تمام مسائل کو تفصیل کے ساتھ اور ہر ایک کے حقوق نیز ذمہ داری کو بھی بیان کیا ہے۔ منجملہ زراعت، تجارت، قضاوت، حکومت اور ملک کی سلامتی کی خاطر مسلح افواج کی تربیت کے طریقۂ کار سے مربوط مسائل جو ایک متدین اور مہذب معاشرے کی ساخت میں اہم عناصر شمار ہوتے ہیں، معاشرے کا وہ طبقہ جو دور افتادہ ہوتا ہے یعنی جو مستضعف، یتیموں، بوڑھوں پر مشتمل ہوتا ہے جو دنیا کے تمام معاشرے میں موجود ہوتے ہیں، حضرت نے ہر ایک کی مشکل حل کرنے کے مفصل طریقہ کار اور راستے بیان کئے ہیں (۱۴۳) چونکہ امیر المومنین علی علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اجتماعی مسائل سے مربوط مشکلات کے حل کے لیے بحث و گفتگو کی ہے لہذا رہتی دنیا تک تاریخ میں آپؑ کا نام گرامی اجتماعی و سماجی علوم کے بانی و موسس کے عنوان سے ثبت رہیگا۔

آپؑ کے علمی کارنامے:

عالم اسلامی میں سب سے پہلے تالیف و تصنیف کا کام امیر المومنین علی علیہ السلام نے انجام دیا مورخین نے آپ کے علمی کارنامے اور چند تالیفات کو ذکر کیا ہے جن میں حسب ذیل کتابیں سر فہرست ہیں۔

(۱) قرآن کریم:

آپ نے قران مجید کو سوروں کے نزول کے اعتبار سے مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ آیتوں کے عام، خاص، مطلق و مقید، محکم و متشابہ ناسخ و منسوخ عزیمت و رخصت اور آداب و سنن کو بھی بیان کیا ہے (۱۴۴) اس کے علاوہ آیتوں کے اسباب نزول کی طرف بھی آپ نے اشارہ فرمایا ہے ابن سیرین کا قول ہے "اگر اس کتاب تک میری دسترسی ہوتی تو میرے پاس علم و دانش کا بڑا خزانہ ہوتا (۱۴۵)"

امام علیہ السلام کا ایسا مرتب کردہ قرآن یقیناً تفسیر کے اعتبار سے بھی آسان اور اصل معانی سے زیادہ نزدیک ہوتا۔ حضرتؑ نے اس کارنامے کے ذریعہ ایسے علوم امت کے حوالے کئے جن کی اسے سخت ضرورت تھی۔ حادثہ سقیفہ اور خلافت کے چھن جانے کے بعد امیر المومنین اپنے عظیم وظیفہ رسالت اور اس تاریخی مہم کو ایک مصحف کی شکل دینے میں مصروف ہوگئے آپ فرماتے ہیں:

"پیغمبر اکرم کے دنیا سے رشتہ توڑ لینے کے بعد میں نے قسم کھائی کہ اپنے دوش پر اس وقت تک ردا نہیں ڈالوں گا جب تک قرآن کو دو دفتیوں کے درمیان جمع نہ کردوں اور ایسا ہی ہوا (۱۳۶)

اب یہ کام مسلمانوں کا ہے کہ اس عظیم کارنامے کی اہمیت کا اندازہ لگائیں اور فیصلہ کریں کہ عالم اسلام کے لیے فکری و سیاسی اور اجتماعی اعتبار سے یہ کیسا عظیم سرمایہ ہے۔

۲۔ مصحف فاطمہ:

امیر المومنین علی علیہ السلام نے قرآن مرتب کرنے کے بعد ایک دوسری کتاب کی تالیف کا کام شروع کیا جو ائمہ علیہم السلام کی اصطلاح میں "مصحف فاطمہ سلام اللہ علیہا" کے نام سے معروف ہے یہ مقدس کتاب مواعظ، حکمت، عبرت اور آیندہ رونما ہونے والے واقعات پر مشتمل ہے اس کے علاوہ یہ کتاب صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے لیے والد کی رحلت کے بعد مصائب و آلام کے وقت تسکین اور تسلی کا سامان بھی تھی۔

۳۔ صحیفہ:

یہ کتاب فقہ میں مالی جرائم اور دیات کے احکام پر مشتمل ہے جس میں دین و شریعت کے رو سے قتل نفس، خطا یا شبہ عمدی، کسر عضو یا فقط زخم کے آجانے نیز وہ موارد جہاں قصاص نہ ہونے یا امکان قصاص کے نہ ہونے کے سلسلہ میں تفصیل

کے ساتھ آپؑ نے وضاحت فرمائی ہے۔ (۱۴۷)
اہل سنت کے دو بڑے محدث بخاری اور مسلم نے مذکورہ کتاب سے کچھ مطالب نقل کئے ہیں اور اس کا ابن معد نے اپنی کتاب میں بھی تذکرہ کیا ہے اس کے علاوہ احمد بن حنبل نے بھی اس کتاب سے بہت سی روایتوں کو نقل کیا ہے۔

۴۔ جامع:
یہ کتاب پیغمبر اکرمؐ کے املا سے امیر المومنین علیہ السلام کے خط میں پوست اور درخت کے چھلکوں پر لکھی گئی ہے جس میں لوگوں کے لیے حرام و حلال کے تمام مسائل تفصیل کے ساتھ مندرج ہیں۔ اس میں وہ احکام بھی ملیں گے جن کے کلیات قرآن مجید میں اوامر و نواہی کی صورت میں بیان ہوتے ہیں۔ ائمہ علیہم السلام اس کتاب کو اپنے اپنے پدر بزرگوار سے نقل کرتے رہے، جس کو کبھی جامع، کبھی "صحیفہ کبھی "کتاب علیؑ" اور کبھی "صحفۂ عتیقہ" کے نام سے پکارتے تھے۔
امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق علیہم السلام سے متعدد روایات اس کتاب کی اہمیت کے بارے میں نقل ہوئی ہیں نیز کتاب مذکور ائمہ علیہم السلام کے نزدیک شرائع حقہ کے استنباط میں مرجع و ماویٰ کی حیثیت سے رہی ہے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں، ہمارے پاس ایک ایسا سرمایہ ہے جس کے وجود کے سبب لوگ ہمارے محتاج ہیں اور وہ عظیم سرمایہ صحیفہ کی شکل میں امیر المومنین کے خط میں پیغمبرؐ اسلام کا املاء ہے جس میں تمام حلال و حرام موجود ہیں۔ (۱۴۸)
امام جعفر صادق علیہ السلام اس کتاب کے طول و عرض کے بارے میں فرماتے ہیں

" یہ ایسی کتاب ہے جس کا طول ستر ہاتھ اورعرض چمڑے میں اونٹ کی ران کے برابر ہے اس کتاب میں لوگوں کی تمام ضروریات کی چیزیں پائی جاتی ہیں یہاں تک کہ زخم کی دیت کا بھی تذکرہ موجود ہے۔ "

۵۔ صحیفۂ فرائض:

ظاہر میں ایسا لگتا ہے کہ یہ کتاب امیر المومنین علیہ السلام کے میراث اور دیگر مسائل کے فیصلوں اور قضاوتوں پر مشتمل ہے اور بعید نہیں کہ یہ "کتاب جامع" کا ایک جز یا حصہ شمار ہوتا ہو۔ (۱۴۹)

۶۔ کتاب جفر:

لغوی اعتبار سے جفر بکری، اونٹ یا گائے کی کھال کو کہتے ہیں لیکن بعد میں یہ لفظ علوم کی ایک قسم شمار ہونے لگا۔ یہ کتاب ختمی مرتبتؐ کے املاء سے علی علیہ السلام کے خط میں چمڑے پر لکھی گئی بظاہر یہ کتاب " جامع " سے مختلف ہے اہل بیت علیہم السلام کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب مذکور صحف انبیاء، قرآن سے قبل آسمانی کتابوں اور آیندہ کے حوادث پر مشتمل ہے۔ (۱۵۰)

امیر المومنین علیؑ کی دیگر تصنیفات بھی ہیں جیسے زکوۃ "کتاب ابواب فقہ" اور علوم قرآن... وغیرہ (مزید معلومات کے لیے کتابوں کی طرف رجوع کریں۔)

امام کی فکری میراث کے نمونے:

ذرا سے غورو فکر کے بعد یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ وہ گراں بہا تالیفات جو خود آپؑ کے دست مبارک سے انجام پائی ہیں ان کا ہدف صرف اور صرف یہ تھا کہ

انکے ذریعہ آنے والی امتوں اور نسلوں کے لیے دینی حقایق کی پاسبانی اور حفاظت ہو سکے تاکہ زیادہ سے زیادہ فقہ اسلامی اور کتاب خدا کے مقاصد کی وضاحت ہو جائے ۔

مگر حضرتؑ کے وہ آراء و افکار جو اسلامی فکر کے مختلف میدان میں راہنما کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ وہ افکار ، جو الٰہی مقاصد کی شکل میں آپؑ کے نفس و روح میں جلوہ گر ہیں آپ ہی کے خطبے ،خطوط ، مواعظ ، تجاویز اور مناظروں میں مل سکتے ہیں ۔ کیونکہ آپؑ ان علوم کو قرآن کی طرح مرتب کرکے یا صحیفہ کی شکل میں امت کے حوالے نہیں کرنا چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ طول تاریخ میں یہ عظیم سرمایہ حادثوں کے نذر ہوگیا۔

مگر اس کے باوجود آپؑ کے بعد آنے والے بڑے بڑے محققین اور علماء نے آپؑ کے بعض افکار کو بڑی جاں فشانی اور مشقت کے ساتھ مرتب کرکے اسے آئندہ نسلوں کے حوالے کئے ہیں البتہ باب شہر علم کی مقابل ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے ۔ ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں ۔

۱۔ نہج البلاغہ :

اس عظیم کتاب اہمیت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے ۔اسے مرحوم سید رضی ابوالحسن بن حسین موسوی متوفی ۴۰۴ھ نے مرتب کیا ہے جو خطبوں خطوط اور حکمتوں کا انتخاب ہے ۔دنیا کے عظیم ترین دانشمند مفکر اور صاحب علم و ادب اس کتاب کے مطالعہ اور تحقیق میں ہمیشہ اہتمام کرتے آئے ہیں جس کے نتیجہ میں آج نہج البلاغہ کی پچاس شرحیں پائی جاتی ہیں جن میں سے ابوالحسن بیہقی ، امام فخرالدین رازی ، قطب راوندی ، ابن میثم بحرانی ، ابن ابی الحدید معتزلی وغیرہ سر فہرست ہیں ۔

نہج البلاغہ عقاید، اخلاق، حکومتی نظام، انسان کا خدا سے رابطہ اور اجتماعی مسائل سے مربوط بلند افکار پر مشتمل ہے بلکہ خدا کی ایسی نشانی ہے جو اپنی گہرائی وگیرائی کے اعتبار سے عرب بلکہ پوری دنیا میں بے نظیر ہے۔

۲۔ مسند علی:

اس کتاب میں آپکے بعض آثار جو پیغمبر اکرمؐ سے مروی ہے، ذکر کئے گئے ہیں اسے ابو عبد اللہ عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے مرتب کیا ہے

۳۔ غرر الحکم و درر الکلم:

اس کتاب کا حجم نہج البلاغہ کی مانند ہے جو فقط حضرتؑ کی بعض چھوٹی چھوٹی حکمتوں پر مشتمل ہے اسے عبد الواحد بن محمد آمدی نے جمع کیا ہے۔

۴۔ مطلوب کل طالب من کلام علی بن ابی طالبؑ:

یہ کتاب امیر المومنین علیہ السلام کی نصیحت و وصیت اور حکمتوں پر مشتمل ہے جس کو ابو اسحاق انصاری نے جمع کیا ہے۔

۵۔ مائۃ کلمۃ:

اس کتاب کو جاحظ نے مرتب کیا ہے۔

۶۔ نثر اللئالی:
اسے صاحب تفسیر مجمع البیان مرحوم طبرسی نے جمع کیا ہے۔

۷۔ کتاب صفین:
یہ کتاب حضرت کے خطبوں اور خطوں پر مشتمل ہے جس کو نصر بن مزاحم نے مرتب کیا ہے۔

۸۔ جنۃ الاسماء:
اسے ابو حامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے شرح کیا ہے۔

۹۔ صحیفۂ علویہ:
یہ کتاب حضرت کی بعض مناجات اور دعاؤں پر مشتمل ہے جس کو عبد اللہ بن صالح ساعیجی نے جمع کیا ہے۔

۱۰۔ قلائد الحکم و فرائد الکلم:
یہ کتاب قاضی ابو یوسف اسفرائینی کے بدست مرتب ہوئی ہے
اس سلسلہ میں دیگر تالیفات بھی ہیں۔ مزید اطلاع کے خواہاں اعیان الشیعہ، ج / ۳ / ص / ۲۷۴، سے رجوع کریں

آیندہ کے بارے میں خبر دینا:

اس سے مراد وہ حوادث ہیں جن کے بارے میں آپ نے آیندہ قریب میں رونما ہونے کے سلسلہ میں خبر دی ہے اور وہ یقیناً رونما ہوئے ہیں یا پھر وہ خبریں جو امت اسلامی کے کسی خاص طبقہ یا خود امت مسلمہ سے مربوط ہیں ۔

یہ بات مسلم ہے کہ مستقبل کے بارے میں خبر دینے کی استعداد یا پیغمبر اکرم سے بغیر واسطے کے کسب یا پھر نفس کی طہارت ، خدا داد اور آپؑ کے معنوی مقام کا کمال تھا جس کی بنیاد پر آپؑ مثبت و منفی پہلو کو مد نظر رکھ کر آیندہ کے بارے میں خبریں دیتے تھے ۔

آپؑ فرماتے ہیں : اس وقت سے لیکر قیامت تک کے درمیانی عرصے کی جو بات بھی مجھ سے پوچھو گے ، میں بتاؤں گا اور اگر کسی ایسے گروہ کے متعلق جس کے نصیب میں ہدایت یا گمراہی لکھی ہو دریافت کرو گے تو میں اس کے للکارنے والے اور اسے آگے سے کھینچنے والے اور پیچھے سے ڈھکیلنے والے اور اس گروہ کا مقام اس کی سواریوں کی منزل تک کا پتہ بتاؤں گا اور یہ کہ کون ان میں سے قتل کیا جائے گا اور کون اپنی موت مرے گا ۔ (۱۵۲)

اگر ہم حضرت کی تمام پیشین گوئیوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ آپ کے دیگر افکار کے مقابل محدود ہونے کے باوجود یہ آپ کی عظمت ، بلندی اور معنویت کا کس قدر پتہ دیتی ہیں جن میں آپؑ نے آئندہ کے تمام اسرار اور حوادثوں کی نقاب کشائی فرمائی ہے ۔

آپکی پیشین گوئیوں کے چند نمونے :

۱ ۔ سوید بن غفلہ کا بیان ہے : علی علیہ السلام ایک روز خطبہ دے رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص درمیان سے بلند آواز سے بولا اے امیر المومنینؑ میں " وادی قریٰ " سے گزر رہا تھا خلد بن عرفطہ کو دیکھا کہ وہ مردہ پڑا ہوا ہے اس کے لیے طلب مغفرت کیجیے ۔

آپ نے فرمایا : خدا کی قسم ! ابھی وہ نہیں مرا اور اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک ایسے گمراہ لشکر کی قیادت نہ کر لے گا جس کا پرچم " حبیب بن حمار " کے

ہاتھوں میں ہوگا ۔ اسی دوران دوسرا شخص اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا اے امیر المومنینؑ! آپ کا چاہنے والا اور حبیب بن حمار میں ہی ہوں ۔
آپ نے دوبارہ اس سے پوچھا: کیا تیرا ہی نام حبیب بن حمار ہے؟
اس نے جواب دیا: ہاں امیر المومنینؑ!
آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! اس لشکر کا پرچم تو ہی اٹھانے والا ہوگا آپؑ مسجد کوفہ کے "باب الفیل" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ (اے حبیب بن حمار) تو اسی دروازہ سے وارد ہوگا ۔ اس روایت کا راوی "ثابت ثمالی" کہتا ہے میں اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھنے کے بعد ہی دنیا سے اٹھا کہ ابن زیاد نے عمر سعد کو امام حسین علیہ السلام سے لڑنے کے لیے بھیجا جس کے لشکر کی رہبری خلد بن عرفطہ کے ہاتھ میں تھی اور علم حبیب بن حمار اٹھائے ہوئے تھا جس کو لیکر وہ باب الفیل سے وارد ہوا ۔ (۱۵۴)

۲ ۔ اسماعیل بن رجاء کہتا ہے ایک روز مام علیہ السلام منبر سے آئندہ کے بارے میں خبر دے رہے تھے کہ اتنے میں اعشی باہلہ جس کا اس وقت بچپن تھا، اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا اے امیر المومنینؑ آپ کی باتیں (معاذ اللہ) خرافات سے زیادہ قریب ہیں ۔ آپؑ نے اس سے خطاب فرمایا اے لڑکے! اگر گناہ کا قصد تھا تو خداوند عالم تجھے فرزند ثقیف کے ساتھ محشور کرے ۔ تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی پھر اصحاب نے عرض کیا: یہ فرزند ثقیف کون ہے؟ آپؑ نے جواب دیا یہ وہ جوان ہے جو اس شہر پر مسلط ہوگا جس کے سبب دین خدا کی حرمت پامال ہوگی اور اپنی تلوار سے اس لڑکے کے سر کو جدا کریگا لوگوں نے عرض کیا اس شہر پر کتنے سال بعد مسلط ہوگا؟ فرمایا ابھی بیس سال ہیں پوچھا کیا وہ قتل بھی ہوگا یا اپنی موت مریگا ۔ آپ نے

جواب دیا درد شکم کے سبب اپنی موت مریگا اس روایت کا راوی اسماعیل بن رجاء کہتا ہے خدا کی قسم میں نے اعشی باہلہ کو اپنی آنکھ سے عبد الرحمن بن محمد بن اشعث کے لشکر کے ان اسیروں کے درمیان دیکھا جو حجاج بن ثقفی کے پاس لائے گئے تھے ، حجاج اس کی مذمت اور سرزنش کر رہا تھا اور وہ اشعار جو اعشی نے عبد الرحمن کو جنگ میں ترغیب دلانے کے لیے کہے تھے پڑھتا جا رہا تھا ۔ اس کے بعد وہیں اعشی کی گردن اڑادی گئی ہے ۔ (۱۵۴)

۳ ۔ شمیر بن سدیر ازدی سے نقل ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے عمرو بن حمق خزاعی سے فرمایا اے عمرو ! (لوگ) میرے بعد تجھے قتل کرکے تیرے سر کو بدن سے جدا کریں گے ، دیار بہ دیار پھرائیں گے اور اسلام میں یہ پہلا سر ہے جو بدن سے جدا ہوکر شہر بہ شہر پھرایا جائے گا ۔

وائے ہو تمہارے قاتل پر ! تم اپنے ہی قبیلہ کے سبب دشمن کے حوالے کئے جاؤ گے ۔ راوی کہتا ہے ، خدا کی قسم ! بہت عرصہ نہ گزرا تھا کہ عمرو بن حمق خزاعی معاویہ کے ایام خلافت میں بعض عرب قبیلوں کے درمیان دشمن سے خوف و ترس کی زندگی بسر کر رہے تھے یہاں تک کہ اپنے قبیلہ " بنی خزاعہ " کے درمیان پہنچ گئے جس کے نتیجہ میں قبیلہ والوں نے انہیں دشمن کے حوالے کر دیا اور انھیں شہادت نصیب ہوئی ، ان کے سر کو عراق سے معاویہ کے پاس شام بھیج دیا گیا ۔ اسلام میں یہ پہلا سر تھا جو ایک شہر سے دوسرے شہر بھیجا گیا ۔ (۱۵۵)

۴ ۔ امام علیہ السلام کا اپنے قاتل ابن ملجم مرادی کے بارے میں خبر دینا جس نے حضرت کے فرق اقدس پر ضربت لگائی اور ریش مبارک خون سے رنگین ہوئی ۔

۵ ۔ اپنے بعد اسلامی حکومت پر معاویہ کا قبضہ اور اس کی سلطنت کے سلسلہ میں

خبر دینا۔ ۶۔ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے سلسلہ میں خبر دینا۔
۷۔ آپ کا حجاج بن یوسف اور اس کے اعمال کے بارے میں خبر دینا۔
۸۔ عبد اللہ بن زبیر کی بغاوت اس کی شکست اور اس کے قتل کی خبر دینا۔
۹۔ آپ کا ایک بار بصرہ کے غرق و ویران ہونے اور دوسری بار قوم زنج (تاتاری) کے تسلط کے سلسلہ میں پیشین گوئی کرنا۔
۱۰۔ محمد ، صاحب تقویٰ و کمال اور ان کے بھائی " ابراہیم " کے قتل کی خبر دینا جو ابو جعفر منصور کے عہد حکومت میں عباسیوں کے خلاف بغاوت کے بعد رونما ہوا۔
۱۱۔ مغرب میں علوی حکومت اور عراق میں آل بویہ کی حکومت کے قیام کی خبر دینا۔
۱۲۔ عبد اللہ بن عباس سے ان کے فرزندوں میں حکومت منتقل ہونے اور عباسی حکومت کی تشکیل کے بارے میں خبر دینا۔
۱۳۔ حضرت مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ظہور اور پربرکت اور اسلامی حکومت کے قیام کے بارے میں خبر دینا۔
یہ بات قابل ذکر ہے کہ نہج البلاغہ میں حضرت کی بہت سی پیشین گوئیاں اور دیگر واقعات بھی مندرج ہیں جو آپ کے بعد رونما ہوئے ہیں اور بعض تو آخری زمانہ سے مربوط ہیں۔

آپؑ کے چند موعظے :

آپ فصیح و بلیغ موعظہ کہنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے ، ایسا وعظ جو سننے اور پڑھنے والے کو لرزہ بر اندام کر دیتا علی علیہ السلام کا وعظ ایسے بلند مفاہیم اور ہدایت سے لبریز ہوتا ہے جس سے ہر مسلمان کے لیے تقرب خدا کی تمام راہیں کھل جاتی ہیں

اور جو خدا و بندے کے درمیان رازو نیاز کا صحیح طریقہ فراہم کرتا ہے ۔ نہج البلاغہ تو آپ ہی کی نصیحتوں اور وصیتوں کا مجموعہ ہے دنیا میں شاید کوئی اسلامی مواعظ و ارشادات اور ہدایات کی کتابیں پائی جائیں اس میں آپ کے مواعظ کی جھلک یا نمونے نہ پائے جاتے ہیں ۔

نہج البلاغہ کے چند منتخب کلمات :

" ایھا الناس ..."

اے لوگو! ہدایت کی راہ میں ہدایت پانے والوں کی کمی سے گھبرانہ جاؤ کیونکہ لوگ تو اسی دنیا کے سفرۂ نعمت پر ٹوٹے پڑے ہیں ۔ جس شکم پری کی مدت کم اور بھوک کا زمانہ دراز ہے ۔ اے لوگو! افعال و اعمال مختلف ہی کیوں نہ ہوں مگر خشنودی و رضاء اور ناراضگی کے جذبات تمام انسانوں کو ایک حکم میں لے آتے ہیں ۔ آخر قوم ثمود کے ناقہ کو ایک ہی شخص نے پے کیا تھا مگر عذاب خدا ساری قوم پر آیا کیوں کہ وہ سب کے سب ایک فرد کے عمل پر رضا مند تھے خدا وند عالم کا ارشاد ہے کہ انھوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے اور بعد میں اپنے کئے پر نادم و پشیمان ہوئے ... آخر کار زمین کے دھنسنے اور زلزلوں کی آواز سے ایسی گھڑگھڑاہٹ پیدا ہوئی جیسے نرم زمین میں ہل کی ممتی ہوئی پھال کے چلانے کی سے ہوتی ہے ۔

ایھا الناس من سلک الطریق ...

اے لوگو! جو روشن و واضح راہ پر چلتا ہے وہ سر چشمۂ ہدایت پر پہنچ جاتا ہے اور جو بے راہ روی اختیار کرتا ہے وہ خشک و خالی زمین اور صحرائے بے آب و گیاہ میں جا پڑتا ہے ۔ (۱۵۶)

آپؑ فرماتے ہیں:

" ایھا الناس انما الدنیا دار مجاز۔۔۔ "

اے لوگو! یہ دنیا گذر گاہ ہے اور آخرت جائے قرار۔ تو اس راہ گزر سے اپنی منزل کے لیے توشہ اٹھالو۔ جس کے سامنے تمہارا کوئی بھید چھپا نہیں ہے اس کے سامنے اپنے پردے چاک نہ کرو قبل اس کے کہ تمہارے جسم دنیا سے الگ کر دیئے جائیں اپنے دل کی توجہ اس سے ہٹا لو۔ اس دنیا میں تمہیں آزمایا جا رہا ہے مگر تمہیں دوسری جگہ کے لیے پیدا کیا گیا ہے جب کوئی مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کیا چھوڑ گیا؟ (اس پر) فرشتے کہتے ہیں اس نے بعد کے لیے کیا سرو سامان کیا ہے؟ پس آخرت کے لیے بھی کچھ بھیجو تاکہ اس کا عوض لے سکو اپنا تمام سرمایہ یہیں نہ چھوڑ جاؤ کہ وہ تمہارے لیے بوجھ ہو جائے گا۔

پھر آپ فرماتے ہیں

" اصیکم عباداللہ بتقوی اللہ ۔۔۔ "

اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اس لیے کہ یہی تقوی زاد راہ آخرت ہے اور اسی کو لے کر پلٹنا ہے یہ ایسا توشہ ہے جو کامیابی کے ساتھ آخرت کی منزل تک پہونچا نے والا ہے اس کی طرف سب سے بہتر سنا دینے والے نے دعوت دی اور بہترین سننے والے نے اسے سن کر محفوظ کر لیا، دعوت دینے والے نے سنا دیا اور سننے والا بہرہ مند ہو گیا اے خدا کے بندو! تقوی نے ہی اللہ کے دوستوں کو محرمات سے بچایا ہے اور ان کے دلوں میں خوف پیدا کیا ہے یہاں تک کہ ان کی راتیں جاگتے ہوئے اور جگر پیاس کی حالت میں گزر جاتے ہیں اور اس تھکن و مشقت کے عوض دائمی راحت اور اس پیاس کے بدلے آخرت میں

کوثر سے سیرابی حاصل کرتے ہیں انہوں نے موت کو قریب سمجھ کر اعمال کی بجا آوری میں جلدی کی اور آرزوؤں کو کچل دیا تاکہ آخرت کی بقا کو حاصل کر سکیں۔

امیر المومنین علیہ السلام کی منتخب حکمتیں:

مرحلہ تکمیل میں امیر المومنین علی علیہ السلام کے چند مختصر جملے ملاحظہ ہوں!

۱۔ جب دنیا کسی کی طرف بڑھتی ہے تو دوسروں کی خوبیاں بھی اسے بطور عاریت(ادھار) دیتی ہے۔

۲۔ لوگوں میں سب سے زیادہ ناتواں وہ ہے جو عمر بھر کسی کو اپنا بھائی اور دوست نہ بنا سکے اور اس سے بھی بد تر وہ ہے جو دوست اور بھائی پانے کے بعد انھیں کھو دے۔

۳۔ جسے اس کے اعمال و کردار پیچھے ہٹا دیں۔ اسے اس کا حسب و نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔

۴۔ جس نے بھی کوئی بات دل میں چھپانا چاہی وہ اس کی زبان سے بے ساختہ نکلے ہوئے الفاظ اور چہرہ کے آثار سے ضرور نمایاں ہو جاتی ہے۔

۵۔ ضرورت کا پوری نہ ہونا نااہل کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے۔

۶۔ ہر شخص کی قیمت وہ جوہر ہے جو اس شخص میں ہے۔

۷۔ آپؑ ہنگامہ کرنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جب ایک ساتھ جمع ہوں تو چھا جاتے ہیں اور جب منتشر ہوں تو پہچانے نہیں جاتے۔

۸۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جو نقصان دہ کھانوں سے تو پرہیز کرتے ہیں مگر اس گناہ سے پرہیز نہیں کرتے جس کے سبب جہنم سے قریب ہوتے ہیں۔

۹۔ تمہیں چار باتوں کی ہدایت کی جاتی ہے اگر انہیں حاصل کرنے کے لیے اونٹوں پر سوار ہو کر انہیں تیز ہنکاؤ تو بھی سزاوار ہے۔ اللہ کے سوا کسی سے آس نہ لگاؤ، گناہ کے علاوہ کسی شئے سے خوف نہ کھائے جس چیز کے بارے میں علم نہ ہو یہ کہنے میں نہ شرماؤ کہ میں نہیں جانتا اور اس کے سیکھنے میں تکبر (اور شرم) سے کام نہ لو۔

۱۰۔ تنہائی میں بھی خدا کی معصیت کے مرتکب نہ ہو اس لیے کہ دیکھنے والا ہی روز آخرت کا حاکم ہے۔

۱۱۔ استحقاق سے زیادہ مدح و ثنا چاپلوسی اور گھٹا کر بیان کرنا عاجزی یا حسد کہلاتا ہے۔

۱۲۔ سختیاں جتنی بڑھتی جاتی ہیں آسانیاں اور نزدیک ہوتی جاتی ہیں اور حلقۂ مصائب جتنا تنگ ہوتا جائے گا، رہائی کی امید بڑھتی رہے گی۔

۱۳۔ جس نے اپنے اور اللہ کے مابین معاملات کو ٹھیک رکھا، اللہ اس کے اور لوگوں کے معاملات سلجھائے رکھے گا، اور جس نے اپنی آخرت کو سنوار لیا، خدا اس کی دنیا بھی سنوار دے گا، اور جو خود اپنے آپ کو وعظ و نصیحت کرے، اللہ کی طرف سے اس کی حفاظت ہوتی رہے گی۔

۱۴۔ مکمل عالم وہ ہے جو لوگوں کو رحمت خدا سے مایوس اور اس کی طرف سے حاصل ہونے والی آسائش و راحت سے ناامید نہ کرے اور نہ ہی انہیں اللہ کے عذاب سے بالکل مطمئن کردے۔

۱۵۔ بہت سے پڑھے لکھوں کو (دین سے) بے خبری تباہ کر دیتی ہے اور جو علم ان کے پاس ہوتا ہے ذرا بھی انہیں فائدہ نہیں پہنچاتا۔

۱۶۔ خدا کی عظمت کا احساس تمہاری نظروں میں کائنات کو حقیر و پست کردے گا۔

۱۷۔ دوست اس وقت تک دوست نہیں سمجھا جا سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کی تین

موقعوں پر حفاظت نہ کرے، مصیبت کے موقع پر اس کے پس پشت اور اس کے مرنے کے بعد۔

۱۸۔ تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں: ایک عالم ربانی دوسرا متعلم کہ جو نجات کی راہ پر قائم ہوتا ہے اور تیسرا عوام الناس کا وہ پست گروہ ہے جو ہر پکارنے والے کے پیچھے ہو لیتا ہے اور ہر ہوا کے رخ پر مڑ جاتا ہے نہ انھوں نے نور علم سے کسب فیض کیا، نہ کسی مضبوط اور سہارے کی پناہ لی۔

۱۹۔ لوگ ہر اس چیز کے دشمن ہوتے ہیں جسے وہ نہیں جانتے۔

۲۰۔ جو خودپسندی سے کام لے گا وہ تباہ و برباد ہوگا اور جو دوسروں سے مشورہ لے گا وہ ان کی عقلوں کو اپنا شریک بنا لے گا۔

امیر المومنین علیہ السلام کی گرامی قدر شخصیت کے بارے میں ہم اپنی گفتگو کو یہیں پر ختم کرتے ہیں۔ خداوند عالم ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

انه سمیع مجیب و الحمد للہ رب العالمین و من اللہ التوفیق

ربیع الاول ۱۴۱۸ھ قم المقدسہ۔

حوالے

(۱) خطیب بغدادی کی تاریخ کبیر، جلد / ۱۴ / ص / ۳۲۱، اور احمد بن شافعی کی فرائد السمطین جلد / ۱ باب / ۳۷، ملاحظہ ہو جس میں کتاب " علی والوصیۃ " تالیف شیخ نجم الدین عسکری، ص / ۱۱۳، سے نقل ہے۔

(۲) صبحی صالح کا مرتب کیا نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ ۱۹۲،

(۳) خصائص الامام علی بن ابی طالب نسائی طبع بیروت اور انساب الاشراف بلاذری کی جلد / ۲ ص / ۹۸ ملاحظہ کریں۔

(۴) بلاذری کی جلد / ۲ ص / ۹۸ ملاحظہ ہو۔

(۵) جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء جلد / ۱ ص ۹۲ ابن عساکر، ابوبکر، عثمان، عائشہ وغیرہ سے چند حدیثوں کو نقل کیا ہے اور گنجی شافعی اپنی کتاب کفایۃ، خوارزمی نے اپنی مناقب میں بھی نقل کیا ہے۔

(۶) ابو نعیم کی حلیۃ الاولیاء دیلمی کی فردوس الاخبار حمونیی کی فرائد ملاحظہ ہو اور دیگران نے بھی کتاب " مقام امیر المومنینؑ " ص / ۱۰۲، کے حوالے سے نقل کیا ہے (۷) احمد بن حنبل اور ترمزی نے کتاب " جامع صحیح " میں " فتح الملک العلی رحمۃ حدیث باب مدینۃ العلم علی " کے حوالے سے نقل کیا ہے طبع ۲ ص ۱۹۶۹ ملاحظہ ہو۔

(۸) جلال الدین سیوطی نے تاریخ خلفاء، ابن عساکر نے تاریخ کبیر اور خطیب حنفی نے مناقب میں کتاب " مقام امیر المومنین " ص / ۱۲ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(۹) احمد بن حنبل نے مناقب میں ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ترمزی اور دوسروں نے کتاب "علی و الوصیۃ" ص / ۷، ۳۳۶ کے حوالے سے ملے جلے الفاظ میں نقل کیا ہے۔
(۱۰) صاحب ریاض النضرہ نے جلد ۲ ص / ۱۸۹ میں اور گنجی شافعی نے کفایۃ میں اور ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ میں اور بلاذری نے انساب میں مقام امیر المومنینؑ ص / ۳۲ طبع اعلمی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔
(۱۱) خطیب بغدادی کی تاریخ کبیر جلد / ۳ ص / ۳۲۱ اور ابن قتیبہ کی امامۃ و سیاسۃ زمخشری کی ربیع الابرار ملا متقی ھندی کی کنز العمال ملاحظہ ہو۔
(۱۲) گنجی شافعی نے کفایۃ الطالب میں اور حافظ نے "امالی" میں نقل کیا ہے۔
(۱۳) کنز العمال جلد / ۶ ص / ۱۵۶، دیلمی نے بن عمر سے اور صاحب ریاض النضرہ نے جلد / ۲ ص ۲۲۶ میں کتاب "مقام امیر المومنین" ص / ۱۵ طبع اعلمی کے حوالے سے عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے۔
(۱۴) تفسیر بیضاوی، مجمع البیان طبرسی، اور ابو اسحاق ثعلبی، نے اپنی تفسیر میں طبری، نے اپنی تفسیر میں واحدی نے اسباب النزول، میں ابو البرکات نسفی، نے اپنی تفسیر میں، نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں، شبلنجی نے نورالابصار میں ذکرکیا ہے اور ابن حجر نے صواعق المحرقۃ میں اور دوسروں نے بھی "فضائل الخمسۃ فی الصحاح الستۃ" جلد ۱ کے حوالے سے نقل کیا ہے اعیان الشیعہ جلد / ۳ ص ۱۳۰۔
(۱۶) مسند احمد بن حنبل جلد / ۳ ص ۲۸۱، احمد بن حنبلؒ کہتا ہے اس حدیث کو تیس صحابیوں نے روایت کیا ہے اور دوسروں نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے منجملہ، نسائی نے خصائص میں طبرانی نے زید بن ارقم سے، فخر رازی نے " یا ایھا

الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک "کی تفسیر کے ذیل میں ملا متقی ہندی نے کنزالعمال جلد / ۱ ص / ۳۸ میں ذکر کیا ہے اور مستدرک الصحیحین میں بھی علامہ امینی نے کتاب "الغدیر" جلد / ۱ کے حوالے سے موجود ہے۔

(۱۷) موفق بن احمد حنفی کی کتاب مناقب حمیونی شافعی کی فرائد السمطین اور احمد بن حنبل کی مسند، ثعلبی کی کشف و بیان ملاحظہ ہو۔

(۱۸) بحار الانوار جلد / ۴۱ ص / ۱۱ ۱۲۰۔

(۱۹) بحار الانوار جلد / ۴۱ ص / ۱۶ خصال صدوق کے حوالے سے۔

(۲۰) بحار الانوار جلد / ۴۱ ص / ۱۷۔

(۲۱) بحار الانوار جلد / ۴۱ ص / ۱۷۔

(۲۲) بحار الانوار جلد / ۴۱ ص / ۱۵۔

(۲۳) بحار الانوار جلد / ۴۱ ص / ۱۷۔

(۲۴) بحار الانوار جلد / ۴۱ ص / ۲۳۔

(۲۵) بحار الانوار جلد / ۴۱ ص ۱۴۔ اور تذکرہ الخواص / ص / ۱۴۳ ملاحظہ ہو۔

(۲۶) وہی مدرک۔

(۲۷) انساب الاشراف، فضائل الخمسۃ من الصحاح الستۃ، جلد / ۱ بخاری کے حوالے سے۔

(۲۸) نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۹ صبحی صالح۔

(۲۹) مناقب بن شہر آشوب۔

(۳۰) نہج البلاغہ مکتوب ۴۵۔

(۳۱) بحارالانوار، جلد / ۴۱ ص / ۱ توحید صدوق کے حوالے سے۔

(۳۲) وہی مدرک ص / ۹ اصول کافی کے حوالے سے ۔

(۳۳) وہی مدرک ص / ۷ اصول کافی کے حوالے سے ۔

(۳۴) مناقب آل ابی طالب ، جلد / ۲ ص / ۹۴ ۔

(۳۵) علی و حقوق انسان ، جورج جرواق ۔ ص / ۷۵ ۔

(۳۶) بحار الانوار جلد / ۴۰ ص / ۳۳۰ ۔

(۳۷) مناقب بن شہر آشوب ، جلد / ۱ ص / ۳۶ ۔

(۳۸) تذکرۃ الخواص ، ص / ۱۱۷ ۔

(۳۹) تذکرۃ الخواص ص / ۱۱۸ ۔

(۴۰) تذکرۃ الخواص ص / ۱۲۰ ۔

(۴۱) وہی مدرک اور محمد رضا کی " امام علی بن ابی طالب ص / ۴۲ ۔

(۴۲) مناقب ابن شہر آشوب جلد / ۱ ص / ۳۴۴ ۔

(۴۳) امام علیہ السلام کے زہد کے بارے میں مزید اطلاع کے لیے بحار الانوار جلد / ۴۰ اور تذکرۃ الخواص ، مناقب آل ابی طالب ، جلد / ۱ ملاحظہ کریں ۔

(۴۴) نہج البلاغہ مکتوب ۴۵ ۔

(۴۵) بحار الانوار جلد / ۴۱ ص / ۳۷ ۔

(۴۶) بحار الانوار جلد / ۴۱ ص / ۴۰ ۔

(۴۷) مناقب بن شہر آشوب ، ص / ۳۳۶ ، بحار الانوار جلد ۴۱ ص/ ۴۳ ۔

(۴۸) شرح نہج البلاغہ بن ابی الحدید جلد / ۱ ص / ۲۲ ۔

(۴۹) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد / ۱ ص / ۲۲ ۔

(۵۰) زمخشری کی تفسیر کشاف اور واحدی کی اسباب النزول ، ابن اثیر کی اسد الغابہ

ملاحظہ کریں۔

(۵۱) تفسیر طبری جلد / ۱۰ ص / ۵۹ میں انس کے حوالے سے اور واحدی کی اسباب النزول ص / ۱۸۲، تفسیر قرطبی جلد / ۸ ص / ۹۱، تفسیر رازی، تفسیر نسفی، سیوطی اور دوسروں نے بھی فضائل الخمسہ جلد / ۱ ص / ۲۷۹ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(۵۲) تذکرۃ الخواص ص / ۸ ــ ۴۷ اور امام علی بن ابی طالب ص / ۱۲ ملاحظہ ہو۔

(۵۳) شرح نہج البلاغہ بن ابی الحدید جلد / ۱ ص / ۲۵۔

(۵۴) نہج البلاغہ صبحی صالح خطبہ ۹۲ ص / ۱۳۶۔

(۵۵) وہی مدرک۔

(۵۶) نہج البلاغہ صبحی صالح خطبہ ۹۲ ص / ۱۳۶۔

(۵۷) وہی مدرک۔

(۵۸) وہی مدرک خطبہ ۲۲۴۔

(۵۹) کتاب " روائع من نہج البلاغہ " ص / ۱۲۳، ملاحظہ ہو۔

(۶۰) نہج البلاغہ خطبہ ۱۳۶۔

(۶۱) تذکرۃ الخواص ص / ۱۲۵۔

(۶۲) شرح نہج البلاغہ بن ابی الحدید جلد / ۲ ص / ۲۰۰۔

(۶۳) مناقب مازندرانی جلد / ۲ ص / ۹۷، احیاء علوم غزالی کے حوالے سے۔

(۶۴) بحار الانوار جلد / ۴۰ ص / ۳۳۰ روایت امام صادق علیہ السلام۔

(۶۵) مناقب بن شہر آشوب جلد / ۱ ص / ۳۷۸۔

(۶۶) مناقب بن شہر آشوب جلد / ۱ ص / ۳۷۸۔

(۶۷) وہی مدرک ص / ۳۷۷۔

(۶۸) بحار الانوار جلد ۳۱ ص / ۱۱۵، نہج البلاغہ کلام ۲۳۲۔
(۶۹) مناقب ص / ۳۷۷۔
(۷۰) نہج البلاغہ خطبہ ۱۳۱۔
(۷۱) نہج البلاغہ خطبہ ۲۱۶۔
(۷۲) اطلاع کے لیے بحار الانوار جلد / ۴۱ ص / ۱۰۴-۱۴۳ ملاحظہ ہو۔
(۷۳) علی و حقوق انسان، ص / ۸۷۔
(۷۴) نہج البلاغہ خطبہ ۷۶۔
(۷۵) نہج البلاغہ نامہ امام مالک اشتر کے نام جب مصر کے گورنر بنائے گئے۔
(۷۶) نہج البلاغہ خطبہ ۲۵۔
(۷۷) اطراف کوفہ اور قادسیہ میں خراج وصول کرنے والوں کے نام نصیحت، بحار الانور جلد / ۴۱ ص / ۳۷۴۔
(۷۸) نہج البلاغہ خطبہ ۱۴ اور دیگر مدارک کی طرف رجوع ہو۔
(۷۹) مناقب آل ابی طالب جلد / ۱ ص / ۳۷۴۔
(۸۰) وہی مدرک فضائل ابن حنبل کے حوالے سے۔
(۸۱) مناقب ص / ۳۷۱، بحار الانوار جلد / ۴۱ ص / ۳۵۔
(۸۲) بحار الانوار جلد ۴۱ ص / ۵۵۔
(۸۳) مناقب آل ابی طالب ص / ۳۷۴ اور بحار الانوار جلد / ۴۱ ص / ۵۵۔
(۸۴) کافی جلد ۵ باب سیم۔
(۸۵) مناقب آل ابیطالب جلد / ۱ ص / ۳۷۴۔
(۸۶) شرح نہج البلاغہ بن ابی الحدید جلد / ۱ ص / ۲۵۔

(۸۷) وہی مدرک ۔
(۸۸) مناقب جلد / ۱ ص / ۳۸۱ ۔
(۸۹) مناقب جلد / ۱ ص / ۳۰۷ ، نہج البلاغہ کلام ۷۳ ۔
(۹۰) شرح نہج البلاغہ جلد / ۱ ص / ۲۲ ۔
(۹۱) بحار الانوار جلد ۱۴ ص / ۵۰ ، نہایہ کے حوالے سے ۔
(۹۲) مناقب جلد / ۱ ص ۳۸۱ ابن بطہ اور سجستانی سے روایت ۔
(۹۳) الامام علی بن ابی طالب ص / ۲۲۳ ۔
(۹۴) وہی مدرک ص / ۱۷۳ ۔
(۹۵) مناقب جلد / ۱ ص / ۳۷۹ ۔
(۹۶) وہی مدرک ص / ۲۸۰ ، بحار الانوار جلد / ۱۴ ص / ۴۹ ۔
(۹۷) بحار الانوار جلد ۱۴ ص ۲۰۶ باب ۱۲۷ ۔
(۹۸) تذکرۃ الخواص ص / ۷۶ ۔
(۹۹) فصول المہمہ ، ص / ۶۱ تذکرۃ الخواص ، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ، جلد / ۲ ص ۱۷۶ ۔
(۱۰۰) الفصول المہمہ ص / ۶۴ اور تذکرۃ الخواص ۔
(۱۰۱) بحار الانوار جلد / ۴۱ ص / ۱۳۵ ، شرح نہج البلاغہ بن ابی الحدید جلد / ۱ ص / ۲۳ ۔
(۱۰۲) نہج البلاغہ مکتوب ۵۳ ۔
(۱۰۳) الامام علی رجل الاسلام ، الخلد عبد المجید لطفی ، ص / ۵۳ اور اعیان الشیعہ جلد / ۳ ص / ۱۵۶ ــ ۱۵۷ ۔

(۱۰۴) مسند احمد بن حنبل جلد / ۲ ص / ۳۰۰، مناقب خوارزمی، عائشہ کے حوالے سے۔

(۱۰۵) نہج البلاغہ صبحی الصالح خطبہ ۲۳۵۔

(۱۰۶) نہج البلاغہ صبحی الصالح خطبہ ۲۰۳۔

(۱۰۷) نہج البلاغہ صبحی الصالح خطبہ ۱۸۲۔

(۱۰۸) شرح نہج البلاغہ جلد / ۱ ص / ۲۲۔

(۱۰۹) شرح نہج البلاغہ بن ابی الحدید جلد / ۱ ص / ۲۲۔

(۱۱۰) اس حدیث کو تھوڑے فرق سے ساتھ مسلم نے صحیح میں حاکم نے مستدرک میں احمد بن حنبل نے مسند میں متقی ہندی نے کنز العمال میں اور دوسروں نے بھی نقل کیا ہے۔

(۱۱۱) بلاذری نے انساب جلد / ۲ ص / ۹۸ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۱۲) نسائی کی خصائص امام علی بن ابی طالب ص / ۴۹ ملاحظہ ہو۔

(۱۱۳) ترمزی نے صحیح میں احمد بن حنبل اور حاکم نے مستدرک میں اربلی نے کشف الغمہ میں اور دوسروں نے بھی ذکر کیا ہے۔

(۱۱۴) ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں، دیلمی نے فردوس الاخبار میں اور دوسروں نے بھی کتاب " مقام امیر المومنین " ص / ۷ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(۱۱۵) خوارزمی، ابن مغازلی شافعی اور مناقب جلد / ۲ ص / ۳۰ ملاحظہ ہو۔

(۱۱۶) بحار الانوار جلد / ۳۱ باب ۹۳، مناقب جلد / ۱ مسابقۃ علم کی فصل کے ذیل میں۔

(۱۱۷) بحار الانوار جلد / ۴۰ باب ۹۳، مناقب جلد / ۱ مسابقۃ علم کی فصل کے ذیل

میں۔

(۱۱۸) کتاب امیر المومنین خلفاء کی فصل ملاحظہ ہو۔

(۱۱۹) بحار الانوار جلد / ۴۰ باب ۹۳ نقل از کشف الغمہ۔

(۱۲۰) وہی مدرک نقل از خصال۔

(۱۲۱) بحار الانوار جلد / ۴۰ باب ۹۳، ارشاد مفید ص / ۱۹۱۔

(۱۲۲) اعیان الشیعہ جلد / ۳ ص / ۹۳ استیعاب کے حوالے سے اور اصابہ، اتقان، حلیۃ الاولیاء، صحیح مسلم جلد / ۶۔

(۱۲۳) وہی مدرک غرر الحکم کے حوالے سے۔

(۱۲۴) وہی مدرک نہج البلاغہ کے حوالے سے۔

(۱۲۵) شرح نہج البلاغہ جلد / ۲ ص / ۲۸۶، بحار الانوار جلد / ۴۰ باب ۹۳ ص ۱۹۳۔

(۱۲۶) وہی مدرک جلد / ۲ ص / ۲۸۹۔

(۱۲۷) شرح نہج البلاغہ جلد / ۲ ص / ۲۸۶۔